حدود آرڈیننس ایک علمی جائزہ

- حدود قوانین: موجودہ بحث اور آئندہ لائحہ عمل
- حدود ترمیمی بل کیا ہے؟ ایک مطالعہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

حدود قوانین: موجودہ بحث اور آئندہ لائحہ عمل

حمد وستائش اس ذات کے لیے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

کچھ عرصہ سے ملک میں حدود آرڈیننس کے بارے میں بحث جاری ہے، اور اس کی ترمیم سے متعلق ایک بل بھی اسمبلی میں پیش ہوا۔ جذباتی بحث ومباحثہ کی گرما گرمی میں بہت سے حقائق اوجھل ہو کر رہ گئے ہیں۔ نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی کو کچھ عرصہ قبل اسلام آباد کے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز میں حدود آرڈیننس کے موضوع پر ایک تقریر کی دعوت دی گئی تھی جس میں انہوں نے حدود آرڈیننس پر کیے جانے والے اعتراضات کا علمی انداز میں جائزہ لیا ہے۔ یہ تقریر مذکورہ انسٹی ٹیوٹ نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں الگ بھی شائع کردی ہے۔ ذیل میں یہ تقریر انسٹی ٹیوٹ کے شکریہ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔

الحمد لله و کفی وسلام علی عباده الذین اصطفی

اما بعد!

جناب صدر! جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب، جناب خالد رحمٰن صاحب اور معزز حاضرین وحاضرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں جناب پروفیسر خورشید صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنی شفقت کی بناء پر مجھے اس ادارے میں قوانینِ حدود سے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ جناب پروفیسر صاحب میرے استاد ہیں، میں نے ایک مختصر عرصہ سہی، ان سے معاشیات کا درس لیا ہے جو مجھے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس لیے ان کی فرمائش میرے

لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے، اور اسی کی تعمیل میں اس وقت میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔

آج کل ملک بھر میں قوانین حدود سے متعلق بڑی گرما گرم بحث چل رہی ہے، کچھ لوگ ہیں جو ان قوانین کا بالکل ختم کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، کچھ حضرات انہیں جوں کا توں برقرار رکھنے پر مُصر ہیں اور کچھ حلقے ان میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب کی فرمائش تھی کہ میں اس محفل میں ان قوانین کا ایک علمی جائزہ پیش کروں تاکہ غیر جذباتی فکر رکھنے والے حضرات کے سامنے مسئلے کا صحیح رُخ آ سکے۔

چنانچہ میری Presentation کے تین حصے ہوں گے، پہلا حصّہ مختصراً حدود شرعیہ کی اہمیت سے متعلق ہوگا۔ دوسرے حصے میں ان اعتراضات و شبہات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی جو عام طور سے ان قوانین کے خلاف زور و شور سے پھیلائے جا رہے ہیں اور تیسرے حصے میں ان قوانین کے اُن پہلوؤں کا ذکر ہوگا جو خود میری نظر میں محتاجِ اصلاح ہیں۔

جہاں تک حدود شرعیہ کی اہمیت کا معاملہ ہے، اس موضوع پر زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ جو شخص بھی لا الٰہ الا اللہ پر ایمان رکھتا ہو، وہ اس بات کا عہد و اقرار کرتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ہدایت پر عمل کرے گا۔ یہ احکام و ہدایات صرف عبادتوں سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، جس میں فوجداری قوانین بھی داخل ہیں۔ اور حدودِ شرعیہ ان کا ایک اہم حصہ ہیں۔

حدودِ قوانین

شریعت میں ان کی اہمیت

''حدودِ شرعیہ'' اُن سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو چند جرائم کے لیے قرآنِ کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے مقرر کر دی ہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا قانونِ فوجداری بڑا لچکدار ہے کہ اس میں چند گنے چُنے جرائم کے سوا کسی بھی دوسرے جرم کی کوئی سزا ہمیشہ کے لیے مقرر نہیں فرمائی گئی، بلکہ تقریباً تمام جرائم کی سزا کا تعین حاکمِ وقت یا قاضئ وقت، یا آج کل کی اصطلاح میں مقنّنہ (Legislaturo) یا عدلیہ (Judicialy) پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ حالات و واقعات کی مناسبت سے جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں۔ جسے اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے۔ صرف چند جرائم کو ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ چوری، ڈاکہ، زنا، شراب نوشی اور تہمتِ زنا جو ''حدود آرڈیننس'' کا اصل موضوع ہیں، انہی جرائم میں داخل ہیں۔ ان خاص جرائم ہی کو سزاؤں کے ابدی تعین کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ اور انہیں بھی دوسرے جرائم کی طرح مقنّنہ یا عدلیہ کی صوابدید پر کیوں نہیں چھوڑا گیا؟ اس سوال کے جواب میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور کہا گیا ہے لیکن فی الحال وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

میں ذاتی طور پر اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہوں کہ وحیِ الٰہی کسی بات پر اسی وقت اصرار کرتی ہے جب عقلِ انسانی کے کسی معاملے میں ٹھوکر کھانے کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا اس معاملے کا تصفیہ عقلِ انسانی کے حوالے

کرنے کے بجائے وحیِ الٰہی کی طرف سے اس کا دوٹوک فیصلہ کردیا جاتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، یہ فیصلہ ہر حالت میں واجب التعمیل ہے۔ ایسے معاملات میں بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس فیصلے کی تعمیل کچھ غیر مرئی یا معنوی فوائد کی بھی حامل ہوتی ہے جن میں سبب اور مسبّب (Cause and effect) کا رشتہ قابل دریافت نہیں ہوتا۔ شاید حدود کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت فرمایا ہے کہ:

''اللہ کی زمین میں کسی ایک حد کا عملی نفاذ چالیس روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہوتا ہے''

(سنن نسائی حدیث:۴۸۲۱، کتاب قطع السارق وابن ماجۃ ۴۸۲۱)

اس لحاظ سے ایک اسلامی ملک میں حدود کے نفاذ کی اہمیت بالکل واضح ہے، اور اس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ جب ایک سراسر غیر اسلامی نظام قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہو تو اس میں ترجیحات (Priorities) کے تعین میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں، لیکن جہاں تک نفاذِ حدود کا تعلق ہے اس کی اہمیت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ''حدود'' اسلامی نظامِ قانون کا ایک حصّہ ہے، اسلامی قانون اس میں منحصر نہیں ہے، نیز اسلام نے قانون کی جکڑ بندی کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کے لیے بھی بہت سے احکام دیئے ہیں، جن سے جرائم کی روک تھام میں بڑی مدد ملتی ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا کام صرف نفاذِ حدود نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے جس کے نتیجے میں نفاذِ حدود کی نوبت کم سے کم آئے، لیکن یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خود حدود اگر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ نافذ کی جائیں تو وہ ایسا ماحول پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں، اور ماحول کے مکمل پاکیزہ ہونے کے انتظار میں ان کے نفاذ کو غیر معین مدت تک معلق رکھنا بھی جائز نہیں۔

پاکستان میں حدود قوانین کا نفاذ

ہمارے ملک میں ۱۹۷۹ء میں حدود کے قوانین نافذ ہوئے، اور اس غرض کے لیے جو آرڈیننس جاری کیے گئے ان سب کو عرفِ عام میں ''حدود آرڈیننس'' کہا جاتا ہے۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے جہاں تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا آپ کے عطا فرمودہ قانون کا تعلق ہے، وہ تو یقیناً اتنا مقدس (Sacrosanct) ہے کہ اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں، لیکن جب اس حکم کو ایک مدوّن قانون (Coelified Law) کی شکل دی جاتی ہے تو یہ ایک انسانی عمل ہے جس میں غلطیوں کا بھی امکان رہتا ہے۔ قانون کی تسوید (Drafting) ایک انتہائی نازک عمل ہے۔ اس میں ہر ممکنہ صورتحال کا پہلے سے تصور کر کے الفاظ میں اس کا احاطہ کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر انسانی عقل محدود ہونے کی بناء پر بعض اوقات ہر صورتحال کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے، اور اس طرح مسودۂ قانون میں کمزوریوں کا امکان ہمیشہ رہتا ہے۔ ''حدود آرڈیننس'' بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، اس میں بھی تسوید کی غلطیاں ہوسکتی ہیں، اس میں بھی اس نقطۂ نظر سے بعض اُمور قابل اصلاح ہوسکتے ہیں اور جب تک

اللہ اور اللہ کے رسول صلیٰ اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہو، اس میں بھی ترمیم واصلاح کا عمل ہمیشہ جاری رہ سکتا ہے اور جاری رہنا چاہیے، بشرطیکہ یہ عمل معروضی تنقید کے ذریعہ ہو، کسی عناد کا نتیجہ نہ ہو۔

حدود قوانین اہم اعتراضات

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں گروہ بندی کی فضا نے اس قسم کے معروضی طرز فکر کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں۔ جب کوئی مسئلہ خاص طور سے سیاسی سطح پر، اٹھتا ہے تو لوگ فوراً دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ ایک چیز کو سراپا سفید قرار دے کر اس میں کسی بھی دھبے کی نشاندہی کو کفر کے مترادف قرار دے لیتا ہے، اور دوسرا گروہ اسے سراپا سیاہ قرار دے کر اس کی کسی خوبی کا اعتراف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہی صورتحال اس وقت ''حدود آرڈیننس'' کے بارے میں پائی جارہی ہے۔

ایک گروہ ہے جو ''حدود آرڈیننس'' پر مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے معروضی تنقید کرنے کے بجائے اس کے خلاف غلط اعتراضات اٹھا کر اسے بالکل منسوخ کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ان میں سے بہت سے حضرات وہ ہیں جنہیں دراصل یہ بات بذاتِ خود ناگوار ہے کہ کوئی بھی اسلامی حکم قانون کے طور پر نافذ ہو، وہ دراصل اس سیکولر ذہنیت کے حامل ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے جسے اسٹیٹ کے کاموں میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ ''حدود'' کے معاملے میں ان کا روّیہ اس لیے مزید سخت ہو گیا ہے کہ مغرب نے عرصۂ دراز سے جن اسلامی احکام کو اعتراضات کا نشانہ بنایا ہوا ہے ان میں ''حدود'' سرفہرست ہیں۔ اس لیے ''حدود آرڈیننس'' کتنی ہی بے داغ اور پاکیزہ شکل میں آجائے، انہیں ہر قیمت پر اس کی مخالفت کرنی ہے۔ اس گروہ کی راہ میں مشکل صرف یہ ہے کہ اگر وہ کھل کر یہ کہے کہ ہمیں اسلامی قانون قابل تسلیم نہیں ہے تو یہ بات ایک مسلمان معاشرے، بالخصوص پاکستان میں سنی نہیں جاسکتی۔ لہٰذا وہ براہِ راست اسلام یا اسلامی قانون پر اعتراض کرنے کے بجائے ایک بالواسطہ (Indirect) طریقہ اختیار کرتے ہیں، چنانچہ حدود آرڈیننس کے بارے میں بھی مؤثر ترین راستہ انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس قانون کو ''عورت دشمن'' قرار دے کر خواتین کو اس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے۔ اکبرالہ آبادی مرحوم تو کہہ ہی گئے ہیں کہ ؂

اکبر ڈرے نہ تھے کبھی دشمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

اس لحاظ سے خواتین کا احتجاج مؤثر ترین احتجاج ہے کہ اگر ایک مرتبہ یہ نعرہ لگا دیا جائے کہ کسی خاتون کے ساتھ زیادتی ہوئی تو ہر غیرت مند شخص جوش میں آجاتا ہے اور بعض اوقات اس جوش میں اصل صورتحال کی تحقیق بھی پس پشت چلی جاتی ہے۔

حدود آرڈیننس اور خواتین

حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اس میں عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک برتا گیا ہے اور اس کی بناء پر خواتین شدید ترین ظلم وستم کا شکار ہیں۔ اور اس کی بناء پر خواتین بے قصور سزایاب ہوتی

رہتی ہیں۔ یہ بات مختلف حلقوں کی طرف سے بے تکان دھرائی جاتی رہی ہے، جس کی بناء پر غیر جانبدار حضرات بھی اس معاملے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوگئے ہیں، اس لیے حقیقت حال کی ٹھیک ٹھیک وضاحت ضروری ہے۔

حدود آرڈیننس میں ایک دفعہ بیشک ایسی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں مرد و عورت کے درمیان امتیاز برتا گیا ہے اور وہ ہے حدود کے مقدمات میں عورت کی گواہی کا مسئلہ، لیکن اس دفعہ کی بناء پر آج تک کسی بے گناہ عورت کو سزا نہیں ہوئی، نہ اس سے کوئی قابل ذکر عملی فرق رونما ہوا ہے، اس بات کی وضاحت ان شاء اللہ میں آگے کروں گا، لیکن ایک مسئلے کو چھوڑ کر باقی جتنے معاملات میں ان قوانین پر عورت کے خلاف امتیاز برتنے والا قانون ہونے کا دعویٰ کیا جارہا ہے، وہ واقع کے مطابق نہیں ہے، یہ اعتراض قانون کے مطالعہ کے بغیر یا اس کے مضمرات کا کما حقہ جائزہ لیے بغیر کیا جارہا ہے، بلکہ بعض اوقات صرف اس بناء پر کیا جارہا ہے کہ یہ بات پہلے سے دماغ میں فرض کرلی گئی ہے کہ اس قانون کو عورت کے خلاف تعصب کا قانون قرار دینا ہے، لہٰذا قانون کو وہ معنی پہنائے جارہے ہیں جو کسی بھی طرح اس سے نہیں نکلتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں عجیب وغریب قسم کے لطیفے بھی سامنے آئے ہیں۔ اس کی دو مختصر مثالیں میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ اس قسم کے اعتراضات کس ذہنیت کے ساتھ کیے جارہے ہیں۔

پہلی مثال

حدود کے قوانین میں ایک قانون ''قذف آرڈیننس'' بھی ہے، قذف کے معنی ہیں زنا کی تہمت لگانا، اس قانون کا منشاء یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت سے تہمت لگانے والے پر سزا جاری کروائے۔ شریعت نے جہاں زنا کو بدترین جرم قرار دے کر اس کی سزا حد کے طور پر مقرر فرمائی ہے، وہاں زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کو بھی بدترین جرم قرار دیا ہے، اور اس کی سزا میں اسّی کوڑے بطورِ حد مقرر فرمائے ہیں، قذف آرڈیننس اسی سزا کی تنفیذ کے لیے جاری ہوا ہے، اس آرڈیننس میں ایک دفعہ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عدالت میں قذف کی شکایت کون دائر کرسکتا ہے، یہ قانون کی دفعہ ۸ (اے) ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

Who can file a complaint of Qazf?
(a) " If the person in respect of whom the Qazf has been committed is alive, that person or any person authorized by him.

قانون قذف میں صیغۂ مذکر کا استعمال

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے، اگر وہ زندہ رہے تو وہ خود بھی درخواست دائر کرسکتا ہے، اور کسی اور شخص کو اپنا نمائندہ بنادے تو وہ نمائندہ بھی درخواست دائر کرسکتا ہے۔ انگریزی میں یہاں any person authorized by him لکھا ہوا ہے، جس میں مذکر کی ضمیر

him استعمال ہوئی ہے، قانون کا یہ مسلّم اصول ہے کہ جب کوئی عام اصول بیان کیا جا رہا ہو تو وہاں خواہ مذکر کا صیغہ (Musculine Gender) استعمال ہوا ہو، مگر وہ مؤنث کو بھی شامل ہوتا ہے۔ دنیا کے بیشتر قوانین میں یہی صورتحال ہے جو معروف اور مسلّم ہے، لیکن چونکہ مرد و عورت کے درمیان امتیاز کا الزام حدود آرڈیننس پر لگانا طے کر لیا گیا ہے لہٰذا بعض حلقے مذکورہ دفعہ کے صیغۂ مذکر کو پکڑ کر بیٹھ گئے کہ دیکھئے، یہاں قذف کی درخواست دائر کرنے کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ اگر یہ اعتراض کسی ایسے شخص کی طرف سے ہوتا جو قانون کی تعبیرات سے مانوس نہ ہو تو کہا جا سکتا تھا کہ اس نے یہ اعتراض ناواقفیت کی بناء پر کر دیا ہے، لیکن یہ اعتراض اس کمیشن نے عائد کیا ہے جو حدود آرڈیننس پر غور کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، اور جس میں متعدد ماہرین قانون شامل تھے یعنی:

National Commission For Status of Women

چنانچہ حدود آرڈیننس پر اپنی رپورٹ میں اس نے قذف آرڈیننس کی مذکورہ بالا دفعہ ۸ (اے) پر یہ تبصرہ فرمایا ہے:

"It is obvious from the wording used in this clause that the drafters of this law overlooked and completely ignored women ... exclusion of the term 'her' means that it is only a man against whom Qazf is committed is eligible to file a complaint."

''اس دفعہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس قانون کے بنانے والوں نے عورت کو مکمل طور سے نظر انداز کیا ہے...... اس دفعہ سے مؤنث کے صیغے her کو نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف مرد ہی ہے جو اپنے خلاف جھوٹی تہمت کی سزا دلوانے کے لیے درخواست دائر کر سکتا ہے۔''

اس تبصرے کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدود آرڈیننس نے عورت کے خلاف اس حد تک تعصب برتا ہے کہ اگر مرد کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت لگائی جائے تو وہ تہمت لگانے والے کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے، لیکن اگر بیچاری عورت کے خلاف جھوٹی تہمت لگائی جائے تو وہ عدالت میں نہیں جا سکتی۔

قانون کا مسلمہ اصول:

اب اس اعتراض اور تبصرے کو ایک لطیفے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی بڑی قانون دانی کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ قانون کی کتابوں میں صیغۂ مذکر ہمیشہ صیغۂ مؤنث کو بھی شامل ہوتا ہے، لہٰذا دفعہ کے مفہوم میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں، اور دونوں درخواست عائد کر سکتے ہیں، مثلاً اگر قانون میں یہ لکھا ہے کہ ''جو شخص چوری کرے گا اسے فلاں سزا دی جائے گی'' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ چونکہ قانون میں ''کرے گا'' لکھا ہے ''کرے گی'' نہیں لکھا، اس لیے صرف مرد چوری کرے گا تو اسے سزا ہوگی، عورت چوری کرے گی تو اسے سزا نہیں ہوگی۔ لیکن چونکہ حدود آرڈیننس کو ہر قیمت پر عورت کے خلاف

ثابت کرنا طے کرلیا گیا ہے، اس لیے وہاں یہ سامنے کا قاعدہ بھی فراموش کر دیا گیا۔

یوں تو یہ بات صیغۂ مذکر میں مؤنث بھی داخل ہوتی ہے، ایک عام فہم اور معروف قاعدہ ہے، جس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن چونکہ ''حدود آرڈیننس'' کو ایک نرالی مخلوق کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس لیے میں خود قانون کے حوالے سے عرض کردوں کہ اس قانون میں بھی مذکر کا صیغہ مؤنث کو شامل ہے، لہٰذا مرد اور عورت دونوں جھوٹی تہمت کے خلاف عدالت میں جانے کا برابر حق رکھتے ہیں۔ اس قانون کی دفعہ ۲ (بی) کی رُو سے اس قانون پر مجموعۂ تعزیرات پاکستان (Pakistan Penal Code) کی تمام تعریفات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور مجموعۂ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۸ میں یہ صراحت موجود ہے کہ:-

"The person 'he' and its derivatives are used for any person, whether male or female."

''مذکر کے صیغے he اور اس کے تمام مشتقات ہر شخص کے لیے استعمال ہوئے ہیں، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث''

تعزیرات پاکستان کی یہ تصریح قانون سے ذرا مَس رکھنے والے ہر شخص کو ازبر ہوتی ہے، لیکن حدود آرڈیننس کو عورت کے خلاف قرار دینے کے جذبے نے مذکر کے صیغے سے عورت کے خلاف تعصب برآمد کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

دوسری مثال

اسی قسم کی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمایئے جو ایک دوسرے لطیفے سے کم نہیں۔ حدِ زنا آرڈیننس کی دفعہ ۵ (اے) میں اس زنا کا تعارف کرایا گیا ہے، جو موجبِ حد ہو، یعنی اس کے نتیجے میں حدِ شرعی جاری ہوسکتی ہے، تعریف کے الفاظ یہ ہیں:

Zina is Zina liable to Hadd if it is committed by a man who is an adult and is not insane with a women to whom he is not, and does not suspect himself, to be married. (Sec.5(1)(a)

سادہ لفظوں میں اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے جبکہ اسے اس عورت کے اپنی منکوحہ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو تو وہ زنا موجبِ حد ہوگا۔

یہاں مرد کے ساتھ تو adult یعنی بالغ ہونے کا لفظ موجود ہے، مگر عورت کے ساتھ نہیں ہے، جس کی وجہ واضح ہے کہ زنا کرنے والا مرد اگر بالغ نہ ہو تو اس پر حد جاری نہیں ہوسکتی، لیکن اگر کوئی بالغ مرد کسی بھی عورت سے زنا کرے تو خواہ وہ عورت بالغ ہو یا نابالغ، دونوں صورتوں میں مرد پر حد کی سزا لاگو ہوسکتی ہے۔ لہٰذا تعریف میں مرد کے ساتھ تو بالغ کی قید لگائی گئی ہے، لیکن جس عورت کے ساتھ جرم کا ارتکاب کیا جارہا ہے، اُس کے ساتھ بالغ کی قید اس لیے نہیں لگائی گئی تاکہ زیادتی خواہ بالغ عورت کے ساتھ ہو یا نابالغ کے ساتھ دونوں صورتوں میں زیادتی کرنے والے پر حد جاری کی جاسکے۔ لہٰذا حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ تعریف میں ''عورت'' کے لفظ کے

ساتھ ''بالغ'' کی قید ہونی ہی نہیں چاہیے، تاکہ نابالغ بچیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر بھی حد کی سزا جاری ہو سکے، لیکن چونکہ اس بات کے دلائل تلاش کرنا ضروری تھے کہ حدود آرڈیننس نے عورت کے خلاف امتیاز برتا ہے، اس لیے یہ جب یہ عبارت نظر آئی جس میں مرد کے ساتھ بالغ لکھا ہے، اور عورت کے ساتھ نہیں لکھا تو نتائج کو سوچے سمجھے بغیر یہ اعتراض کر دیا گیا کہ یہ عبارت عورت کے خلاف تعصب کی علامت ہے۔

نیشنل کمیشن کا اعتراض

''نیشنل کمیشن فار اسٹیٹس آف ویمن'' نے حدود آرڈیننس پر اپنی جو رپورٹ مرتب کی، اس میں اس دفعہ پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے:

"As the term 'adult' had been used for a man, it should also have been used for a women. (P6)

جب ''بالغ'' کی اصطلاح مرد کے لیے استعمال کی گئی تھی تو عورت کے لیے بھی استعمال کرنا چاہیے تھی۔''

اب ذرا غور فرمائیے کہ اگر مذکورہ بالا عبارت میں عورت کے ساتھ بھی ''بالغ'' کا لفظ بڑھا دیا جائے تو عبارت کیا بنے گی؟ اور اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ کمیشن کی تجویز کے مطابق عبارت یوں ہونی چاہیے کہ ''اگر کوئی بالغ مرد کسی بالغ عورت سے زنا کا ارتکاب کرے تو وہ زنا موجبِ حد ہوگا''، اس کا واضح نتیجہ یہ ہوگا کہ زنا کرنے والے مرد کو حد کی سزا اُسی وقت ہوگی جب اس کی زیادتی کا شکار کوئی بالغ عورت ہو، لیکن اگر اس نے زیادتی کسی نابالغ بچی کے ساتھ کی ہو تو وہ حد کی سزا سے بچ جائے گا۔

اندازہ فرمائیے کہ عورت کا تحفظ حدود آرڈیننس کی موجودہ عبارت میں زیادہ ہے یا کمیشن کی تجویز میں؟ ان دو مثالوں سے آپ یہ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حدود آرڈیننس کے خلاف اعتراضات کتنی سنجیدگی اور کیسی سوچ کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔

قومی خواتین کمیشن کی ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ (رپورٹ میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ حدود قوانین کی مختلف دفعات کو خواتین کے خلاف امتیازی طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور انہیں ان کی بنیاد پر بے بنیاد مقدمات میں الجھا دیا جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق جیلوں میں مقید ۸۰ سے ۹۰ فیصد خواتین حدود کے مقدمات میں زیرِ حراست ہیں یہ حقیقی اعداد و شمار کے اعتبار سے قطعاً غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ اس سلسلہ میں ویمن ایڈ ٹرسٹ کی تحقیق کے مطابق حقیقی صورتحال کچھ یوں ہے:

ستمبر ۲۰۰۳ء میں پاکستان میں مختلف مقدمات میں خواتین قیدیوں کی تفصیلات

نام جیل	تعداد	قتل کے مقدمات	منشیات کے مقدمات	حدود کے مقدمات	متفرق
اڈیالہ جیل راولپنڈی	125	24 19.2%	63 50.4%	31 24.8%	7 5.6%

کوٹ لکھپت جیل	97	23 23%	26 26%	48 49%	–
سینٹرل جیل کراچی	280	70 25%	50 18%	80 28%	80 28%
میزان	502	117 23%	139 28%	159 31%	87 17%

جولائی ۲۰۰۳ء صوبہ سرحد میں مختلف مقدمات میں خواتین قیدیوں کی تفصیلات

نام جیل	تعداد	قتل کے مقدمات	منشیات کے مقدمات	حدود کے مقدمات	متفرق
پشاور	58	5 8%	35 60%	10 18%	8 14%
ڈیرہ اسماعیل خان	23	4 17%	12 52%	6 26%	1 50%
کوہاٹ	29	2 10%	12 60%	6 30%	–
مردان	18	4 22%	5 28%	7 38%	2 11%
سوات	16	5 31%	2 13%	6 38%	3 19%
بنوں	16	2 13%	6 38%	8 50%	–
مانسہرہ	7	3 43%	–	4 57%	–
• ایبٹ آباد	14	5 36%	–	9 64%	–
میزان	172	30 17%	72 41%	56 32%	14 8%

ماخذ: "حدِ زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء-اعتراضات کی حقیقت، ویمن ایڈ ٹرسٹ-اسلام آباد، ص ۳۹

یہ اعداد و شمار اس بات کو مکمل طور پر ثابت کر دیتے ہیں کہ کمیشن کا یہ دعویٰ کہ جیلوں میں قید خواتین کی ۸۰ فیصد سے زائد تعداد حدود مقدمات کی بناء پر ہے سراسر بے بنیاد ہے۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کا منفی کردار

حدِ زنا آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ کے تحت تعزیرات پاکستان (۱۸۹۸ء) کا ان آرڈیننسوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے جس کی وجہ سے حدود مقدمات کے اندراج، تفتیش اور سماعت کے لیے کوئی نیا یا مختلف طریقہ کار واضح نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس صورت حال میں پولیس کو حد کے کسی بھی مقدمہ میں اختیارات کے غلط استعمال کا اسی طرح موقع مل جاتا ہے جس طرح کہ وہ عام مقدمات میں ہوتا ہے۔ نتیجتاً پولیس کی طرف سے ظلم، جبر اور ناانصافی

یہاں بھی ایک عام آدمی کا مقدر ٹھہرتے ہیں جن کو بعد میں جواز بنا کر حدود قوانین کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

تفتیش کا طریق کار:

لوگوں کے گھروں پر چھاپے مارنا، عام راہگیروں سے نکاح نامہ طلب کرنا اور محض شک کی بنیاد پر کسی فرد خاص طور پر عورتوں کو زیر حراست لے لینا اور انہیں مجرم گردانناوغیرہ اس ضمن میں روزمرہ کی مثالیں ہیں جن کی شریعت میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۷۳ کے تحت کسی بھی زیر حراست آدمی سے تفتیش کا مرحلہ ۱۵ دنوں کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے لیکن سب کو معلوم ہے کہ عملاً ایسا نہیں ہوتا اور یہ سلسلہ کئی کئی ماہ بلکہ سالہا سال چلتا رہتا ہے۔ عدالتوں میں چالان بروقت جمع نہیں کروائے جاتے، پولیس جن گواہوں کو عدالت میں پیش کرتی ہے، انہیں اس سارے عمل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور کئی صورتوں میں وہ عدالتی سمن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حاضر ہی نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان وجوہات کی بناء پر بھی حد کے مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پولیس کے موجودہ نظام کو بہتر کیا جائے تا کہ اس نوعیت کے مسائل سامنے نہ آئیں۔

تعزیرات پاکستان اور وفاقی شرعی عدالت:

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ صرف حدود قوانین ہی نہیں بلکہ ملک کے پورے نظام کو بااثر اور طاقتور طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ قوانین کا استعمال کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نہیں بلکہ انہیں مزید پریشان اور زیردست رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس لیے حدود قوانین کے خاتمہ کا مطالبہ کرنے کے بجائے ان پر ان کی روح کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ بدقسمتی سے تعزیرات پاکستان کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار سے باہر رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان میں پائی جانے والی خامیوں کے تدارک کے لیے کوئی تجویز نہیں دے سکتی۔ اس لیے کہنا یہ چاہیے کہ حدود قوانین نہیں بلکہ تعزیراتِ پاکستان ۱۸۹۸ء ناکام ہو چکی ہے جن میں اصلاح کی فوری ضرورت ہے۔

زنا بالجبر کی خواتین کے ساتھ ظلم

حدود آرڈیننس سے پہلے زنا بالجبر تو تعزیراتِ پاکستان کے تحت ایک جرم تھا، لیکن اگر دو مرد و عورت باہمی رضامندی سے بدکاری کا ارتکاب کریں جسے زنا بالرضا کہا جاتا ہے، تو یہ کوئی جرم نہیں تھا۔ اور یہ ستم ظریفی چلی آتی تھی کہ ہمارے ملک میں بیوی کی اجازت کے بغیر کسی اور عورت سے شادی کرنا تو قانوناً جرم تھا لیکن کسی اور عورت سے زنا کرنا جرم نہیں تھا، بشرطیکہ وہ عورت رضامند ہو، حدود آرڈیننس نے پہلی بار ''زنا بالرضا'' کو قانونی جرم قرار دیا۔ اب جو حضرات پرانے اینگلوسیکسن قانون کو بحال رکھنا مناسب سمجھتے تھے، یعنی ''زنا بالرضا'' کو قانونی جرم قرار نہیں دینا چاہتے تھے، اُن کے لیے کھلے بندوں یہ کہنا تو اس ملک میں مشکل تھا کہ رضامندی سے زنا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، لیکن انہوں نے اس مطالبے کو عورت کے ساتھ ناانصافی کے خاتمے کا عنوان دے کر اعتراض یہ کیا کہ جب سے حدود آرڈیننس نافذ ہوا ہے اس وقت

سے جو عورتیں زنا بالجبر کا شکار ہوئی ہیں، وہ اس خوف سے رپورٹ درج نہیں کراتیں کہ اگر وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائیں گی تو انہیں "زنا بالرضا" کے جرم میں دھر لیا جائے گا، چنانچہ دعویٰ یہ کیا گیا کہ بہت سی ایسی خواتین جو مردوں کی طرف سے زیادتی کا شکار ہوئی تھیں، زنا بالرضا کے مقدمے میں ماخوذ ہو کر جیلوں میں پڑی ہیں، جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، جبکہ جن مردوں نے ان سے زیادتی کی وہ آزاد پھر رہے ہیں۔

یہ بات اس کثرت سے کہی گئی ہے کہ غیر جانبدار حضرات بھی اس معاملے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو وہ انہیں اچنبھی معلوم ہوتی ہے، حالانکہ حقیقتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔

میں اتفاق سے سترہ سال حدود آرڈیننس کے مقدمات کی سماعت کرتا رہا ہوں، پہلے فیڈرل شریعت کورٹ میں اور اس کے بعد سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بینچ میں۔ اس طویل عرصے میں مجھے کوئی ایسا کیس یاد نہیں ہے جس میں کوئی عورت زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی ہو اور مرد کو چھوڑ کر خود اسے زنا بالرضا میں سزا دی گئی ہو۔

صفیہ بی بی مقدمہ

ایک مقدمہ جس کو اس معاملے میں بہت شہرت حاصل ہوئی، صفیہ بی بی کا مقدمہ تھا۔ یہ ایک ۲۱ سالہ غیر شادی شدہ لڑکی تھی (جسے بعض اخبارات میں غلط طور پر ۱۳ سالہ لکھا گیا تھا) اسے نو ماہ کا حمل ظاہر ہو گیا تھا، خود اس کے باپ نے آ کر اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، جب لڑکی کو گرفتار کیا گیا تو اُس نے اس وقت اپنے دفاع میں یہ کہا کہ میرے ساتھ فلاں شخص نے زبردستی زنا کیا تھا، لیکن وہ اپنا یہ دعویٰ ثابت نہیں کر سکی، اس لیے ٹرائل کورٹ نے اسے زنا بالرضا کے جرم میں تین سال کی سزا دیدی، مگر مقدمہ فوراً فیڈرل شریعت کورٹ کے سامنے اپیل میں چلا گیا، اور فیڈرل شریعت کورٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ جب عورت زنا بالجبر کا دعویٰ کر رہی ہو تو صرف حمل ظاہر ہونے کی بناء پر اسے زنا کی سزا نہیں دی جا سکتی، چنانچہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اسے بری کر کے اس کی سزا منسوخ کر دی۔

یہ تھا وہ مقدمہ جس کی بنیاد پر یہ کہا گیا کہ زنا بالرضا کو جرم قرار دینے سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورتیں بے گناہ پکڑی جا رہی ہیں، آپ ذرا تصور فرمائیں کہ اس مقدمے میں لڑکی نے زنا بالجبر کی رپورٹ درج نہیں کرائی تھی بلکہ خود لڑکی کا باپ اس کے خلاف زنا کی شکایت لے کر آیا تھا، ایک باپ کا اپنی بیٹی کے خلاف زنا کاری کی رپورٹ درج کرانا ہمارے معاشرے میں کوئی معمولی بات نہیں ہے، البتہ جب لڑکی پر مقدمہ چلا تو اس وقت اس نے اپنا دفاع یہ کہہ کر کیا کہ میرے ساتھ زبردستی ہوئی تھی، اور بالآخر اسی بناء پر فیڈرل شریعت کورٹ نے اسے رہا بھی کر دیا۔

عدالتی تجربات

ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے کچھ واقعات اور بھی ہوئے ہیں جو میرے علم میں نہ آئے ہوں لیکن سترہ اٹھارہ سال تک میں نے اغواء اور زنا کے جو سینکڑوں مقدمات سنے ہیں ان میں کم از کم نوے فیصد کیس ایسے تھے جن میں سزا ہمیشہ مرد کو ہوئی، اور عورت سزا سے بچ گئی حالانکہ حالات و واقعاتِ مقدمہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ

لڑکی اپنی مرضی سے اپنے کسی آشنا (Paramour) کے ساتھ فرار ہوئی، اور جب تک اس کے پاس رہی، یہی بیان دیتی رہی کہ میں اپنی مرضی سے اس کے ساتھ آئی ہوں، اور اپنی مرضی سے اس سے نکاح کیا ہے لیکن جب کسی طرح ماں باپ اُسے برآمد کر لیتے ہیں تو وہ یہ رپورٹ درج کراتی ہے کہ مجھے زبردستی اغواء کر کے زنا بالجبر کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ جس مرد کے خلاف رپورٹ درج ہوتی ہے وہ دفاع میں یہ کہتا ہے کہ لڑکی میرے ساتھ اپنی مرضی سے گئی تھی اور مجھ سے نکاح کیا تھا، لیکن چونکہ وہ نکاح کا کافی ثبوت پیش نہیں کر پاتا، اس لیے اسے تو تعزیری سزا ہو جاتی ہے لیکن لڑکی شک کا فائدہ حاصل کر کے چھوٹ جاتی ہے۔

میرے علاوہ یہ مقدمات جو دوسرے جج صاحبان سنتے رہے ہیں اور جن سے میری گفتگو ہوئی میں نے ان سب کا تأثر یہی پایا۔ یہاں تک کہ کئی جج صاحبان نے حدود آرڈیننس کے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ اس میں Elopemet کو جرم قرار نہیں دیا گیا، اس لیے یہ از خود فرار ہونے والی لڑکیوں کے حق میں ضرورت سے زیادہ نرم ہے، جس کے نتیجے میں عموماً سزائیں مرد کو ہی ہوتی ہیں، اور عورت بچ نکلتی ہے۔

چارلس کینیڈی کی تحقیق

یہ تو میرا اور میرے ساتھ کام کرنے والے متعدد جج صاحبان کا ذاتی تجربہ تھا، اب میں آپ کو ایک غیر جانبدار، غیر پاکستانی اور غیر مسلم کا تبصرہ سناؤں جو ان مقدمات پر باقاعدہ ریسرچ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہے۔ یہ ایک امریکی اسکالر چارلس کینیڈی ہے اس نے حدود آرڈیننس کے بارے میں شور سنا کہ اس کے نتیجے میں خواتین ظلم کا شکار ہو رہی ہیں تو وہ ان مقدمات کا سروے کرنے کے لیے پاکستان آیا، اس نے حدود آرڈیننس کے تحت ہونے والے مقدمات کا جائزہ لیا، اعداد و شمار جمع کیے اور بالآخر اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کیے۔ اس رپورٹ میں جو حقیقت بیان کی ہے، وہ اس بات کے بالکل برعکس ہے جو حدود آرڈیننس کے ناقدین بیان کرتے ہیں۔ اور اس بات کے عین مطابق ہے جو میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں بیان کی ہے، وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

> "Women fearing conviction under section 10(2) frequently bring charges of rape under 10(3) against their alleged partners. The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charge, convict the male accused under section 10(2).... the woman is exonerated of any wrong doing due to 'reasonable doubt' rule."
>
> (Charles Kennedy : The Status of Woman in Pakistan P-74)

> ''جن عورتوں کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہے، وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف ۱۰(۳) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لے کر آ جاتی ہیں، فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس

لیے وہ مرد ملزم کو دفعہ ۱۰ (۲) کے تحت (زنا بالرضا کی) سزا دیدیتا ہے......اور عورت "شک کے فائدے" والے قاعدے کی بناء پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے"

(پاکستان میں خواتین کی حالت زار، چارلس کینیڈی صفحہ ۴۷)

ان صاحب یعنی چارلس کینیڈی نے پاکستان میں رہ کر اور پانچ سال میں حدود کے جو مقدمات ہوئے، ان کا مفصل سروے کر کے یہ رپورٹ مرتب کی ہے جسے انہوں نے ایک تحقیقی مقالے (Thesis) کی شکل میں یہاں اسلام آباد میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بھی پیش کیا، اور واشنگٹن اور نیویارک کے اسٹڈی سرکلز میں بھی۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے اسے پاکستان میں شائع کیا ہے۔

یہ صاحب اپنے سروے کے ذریعے اسی نتیجے تک پہنچے ہیں جو میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں عرض کیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اعداد و شمار جمع کیے ہیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

۱۹۸۰ء-۱۹۸۴ء کے دوران دی گئی سزائیں: مردوں اور عورتوں کا تناسب

کل تعداد	عورت	مرد	کل تعداد	عورت	مرد	جرم
وفاقی شرعی عدالت			ضلعی عدالتیں			
101	30	71(70)	259	144	145(56)*	10(2)
59	0	59(100)	165	2	163(99)	10(3)
30	2	28(93)	132	4	128(97)	11
13	0	13(100)	78	11	67(86)	16
38	2	36(95)	62	0	62(100)	18
17	0	17(100)	41	0	41(100)	12
5	2	3(60)	22	2	20(91)	14
3	0	3(100)	9	2	7(78)	19
0	0	0	9	4	5(56)	5
0	0	0	1	0	1(100)	15
266	36	230(86)	778	139	639(82)	زنا (تمام)
115	2	113(98)	168	9	159(95)	غیر زنا
381	**38**	**343(90)**	**946**	**148**	798(84)	**میزان**

10(2)=شادی شدہ زانی 10(3)= عصمت دری 11=اغوا 12=بدفعلی 14= عصمت فروشی میں ملوث کرنے کی سازش 16= جرم کی تحریص دلانا 18= عصمت دری کی کوشش 19= زنا کے جرم میں اعانت کرنا 5= شادی شدہ زانی پر حد کا نفاذ 15= دھوکہ دہی سے شادی کرنا۔

*۔ فیصد مرد

حوالہ: Islamization of Laws and Economy, Institute of Policty Studies Islamabad, 1996, 63

اس نقشے میں ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۴ء تک پانچ سال کے اُن مقدمات کا تجزیہ کیا گیا ہے جو حدود آرڈیننس کی مختلف دفعات کے تحت عدالتوں میں گئے، اور دائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر دفعہ کے تحت ڈسٹرکٹ کورٹ سے کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کو سزا ہوئی اور بائیں کالم میں یہ بتایا گیا ہے کہ فیڈرل شریعت کورٹ نے اپیل کے بعد بالآخر کتنے مردوں اور کتنی عورتوں کی سزا کو بحال رکھا۔ اس میں خاص طور سے دفعہ ۱۰ (۲) کو دیکھئے، کیونکہ یہ دفعہ زنا بالرضا سے متعلق ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس دفعہ میں مرد چھوڑے جاتے ہیں اور سزا یافتہ خواتین سے جیلیں بھری ہوئی ہیں۔ سروے کے مطابق اس دفعہ کے تحت نیچے کی عدالتوں سے پانچ سال میں ۱۴۵ مردوں کو سزا ہوئی، اور ۱۴۴ عورتوں کو، لیکن جب ان کی اپیلیں فیڈرل شریعت کورٹ میں پہنچیں تو ۱۴۵ مردوں میں سے صرف ۷۱ مردوں کی سزا بحال رہی، اور عورتوں میں صرف تیس خواتین کی۔ یعنی پانچ سال میں صرف تیس خواتین ہیں جن کی سزائیں باقی رہیں جن کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اس دفعہ کے تحت عورتوں سے جیلیں بھری پڑی ہیں۔

دوسری دفعہ ۱۰ (۳) ہے جو زنا بالجبر سے متعلق ہے۔ اس میں پانچ سال کے دوران نیچے کی عدالتوں سے ۱۶۳ مردوں کو سزا یاب کیا گیا، اور دو عورتوں کو، لیکن فیڈرل شریعت کورٹ نے ۱۶۳ مردوں میں سے ۵۹ مردوں کی سزا بحال رکھی، اور جن دو عورتوں کو ماتحت عدالتوں نے اس دفعہ کے تحت (غالباً اعانتِ جرم کی بناء پر) سزا سنائی تھی، ان دونوں کی سزا کو فیڈرل شریعت کورٹ نے ختم کر دیا، لہٰذا اس دفعہ کے تحت سزا یاب عورتوں کی تعداد صفر ہے۔

اس سروے سے آپ پر اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ حدود آرڈیننس عورتوں پر ظلم کا سبب بن رہا ہے، اور اس کے تحت مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ سزا یاب ہو رہی ہیں۔

مظلوم خواتین کا قذف میں مأخوذ ہونا

دوسرا اعتراض حدود آرڈیننس پر یہ کیا گیا ہے کہ جو عورت زنا بالجبر کا شکار ہوئی ہو، اس سے یہ قانون مطالبہ کرتا ہے کہ ملزم کے خلاف چار گواہ پیش کرے، اور چونکہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکتی، اس لیے اسے قذف (یعنی ملزم کے خلاف زنا کی جھوٹی تہمت) کے جرم میں پکڑا جا سکتا ہے۔

یہ اعتراض بھی حدود آرڈیننس کو صحیح طور پر نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں نہ اس قسم کی کسی صورت حال کا امکان ہے اور نہ آج تک ایسا کوئی کیس ہوا ہے۔ قذف آرڈیننس میں یہ صراحت موجود ہے کہ جو عورت زنا بالجبر کا الزام لگانے کے لیے کسی قانونی اتھارٹی کے پاس جائے اگر وہ اپنا الزام ثابت نہ کر سکے، تب بھی اسے قذف کی سزا نہیں ہو سکتی، کیونکہ قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ کے دوسرے استثناء کے الفاظ یہ ہیں:

"It is not "Qazf" to refer in good faith an accusation of "zina" against any person any of those who have lawful authority over that person...."

"یہ بات قذف نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے خلاف نیک نیتی سے زنا کا الزام کسی ایسے شخص تک پہنچائے جو اس دوسرے شخص پر قانونی اتھارٹی رکھتا ہو۔"

البتہ اس عبارت میں تین استثناء بھی رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک کی رُو سے "زنا بالجبر" کی درخواست لانے والی خاتون کو صرف اس وقت قذف کی سزا ہو سکتی ہے جب عدالت پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹا الزام عائد کیا ہے۔ صرف اس بناء پر سزا نہیں ہوگی کہ وہ اپنا الزام ثابت نہیں کر سکی۔

مطلقہ خواتین کو دوسری شادی کرنے پر سزا

ایک اور اعتراض جو حدود آرڈیننس کے خلاف کافی شدّ ومد سے عائد کیا گیا، یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں جب عدت گذار کر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرتی ہیں تو ان کے سابق شوہر ان کے خلاف حدود آرڈیننس کی دفعہ ۱۰(۲) کے تحت زنا کا مقدمہ درج کرا دیتے ہیں، اور ان کو سزا بھی ہو جاتی ہے۔

اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ شروع کے سالوں میں ایسے متعدد کیس ہوئے ہیں جن میں عورتوں کو واقعۃً مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان کی وجہ حدود آرڈیننس کا کوئی نقص نہیں تھا، بلکہ اس کی اصل وجہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کی ایک خلافِ شرع دفعہ تھی۔ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت اگر کسی مرد نے بیوی کو طلاق دی ہو تو جب تک اس طلاق کا نوٹس یونین کونسل کے چیئرمین کو نہ بھیجا جائے، اس وقت تک وہ طلاق قانوناً مؤثر نہیں ہوتی، یعنی قانوناً وہ طلاق دینے والے شوہر ہی کی بیوی سمجھی جاتی ہے، شرعی اعتبار سے طلاق کے مؤثر ہونے کے لیے کسی سرکاری اتھارٹی کو نوٹس بھیجنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ایسا نوٹس نہ بھیجا گیا ہو، تب بھی بیوی شوہر کے نکاح سے نکل جاتی ہے اور عدت گزارنے کے بعد وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

مسلم فیملی لاز آرڈیننس

لیکن مسلم فیملی لاز آرڈیننس نے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خواتین کے تحفظ کے لیے بنایا گیا تھا۔ عورت کو پابند کیا ہوا ہے کہ جب تک اس کے سابق شوہر کی طرف سے طلاق کا نوٹس نہیں بھیجا جائے گا۔ اس وقت تک وہ اسی شوہر کی بیوی سمجھی جائے گی، اور دوسرا نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس طرح فیملی لاز آرڈیننس نے مرد کے ہاتھ میں یہ ہتھیار دیدیا ہے کہ وہ طلاق دینے کے باوجود اس کا نوٹس چیئرمین یونین کونسل کو نہ بھیجے، اور اگر وہ عدت کے بعد دوسری شادی کرے تو اس کے خلاف پرچہ کرا دے کہ اس نے میری بیوی ہونے کے باوجود دوسری شادی کی ہے، جو زنا کے مترادف ہے۔ چنانچہ کئی مقدمات میں طلاق دینے والے شوہروں نے مطلقہ سے دشمنی نکالنے کے لیے ایسے پرچے کرائے، لیکن اس میں قصور حدود آرڈیننس کا نہیں، بلکہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کا تھا جس نے مطلقہ کو مطلقہ ماننے سے انکار کیا، اگر بالفرض حدود آرڈیننس درمیان میں نہ ہوتا تب بھی تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۴ موجود تھی جس میں پہلے نکاح کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کو جرم قرار دے کر اس کی سزا سات سال قید مقرر کی گئی ہے۔ جب حدود آرڈیننس موجود نہ تھا، تب بھی ایسا بدنیت شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو دفعہ ۴۹۴ کے تحت سات سال کی سزا کا پرچہ کرا سکتا تھا، کیونکہ

عائلی قوانین کے تحت نوٹس کے بغیر طلاق قانونی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ میری قانونی بیوی ہے، اور اس نے دوسرا نکاح کر کے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۴ کی خلاف ورزی کی ہے۔ حدود آرڈیننس آیا تو اس میں دفعہ ۴۹۴ کی جگہ ۱۰ (۲) آ گئی جس میں ۷ سال کی بجائے ۴ سال سے لے کر ۱۰ سال تک کی سزا ہو سکتی ہے، سزا کا یہ تھوڑا سا فرق ضرور ہے، لیکن جرم کی صورت حال میں حدود آرڈیننس نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، اصل قصور فیملی لاز آرڈیننس کا ہے جو طلاق واقع ہونے کے باوجود محض ایک تکنیکی نوٹس نہ ہونے کی بناء پر طلاق کو مؤثر نہیں مانتا۔

سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بینچ کا فیصلہ

لیکن جب یہ صورت حال سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ میں ہمارے سامنے آئی تو ہم نے متعدد دلائل کے ساتھ یہ فیصلے دیے کہ محض اس تکنیکی بنیاد پر عورت کو زنا کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا، ان فیصلوں کے بعد الحمد للہ، مطلقہ خواتین کے ساتھ اس زیادتی کا دروازہ تو بند ہو گیا کہ انہیں حدود آرڈیننس کے تحت سزا دلوائی جا سکے۔ لیکن چونکہ مسلم فیملی لاز کی وہ دفعہ جس میں نوٹس کو لازمی قرار دیا گیا ہے ابھی تک برقرار ہے، اس لیے مجھے یہ بات بعید از قیاس نہیں لگتی کہ عورتوں سے دشمنی رکھنے والے شوہر ایسی خواتین کے خلاف حدود آرڈیننس کے بجائے تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۴۹۴ کے تحت پرچہ کرا کر اسے پریشان کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

زنا بالجبر کی سزا

ایک اور اعتراض بعض حلقوں کی طرف سے یہ سننے میں آیا کہ حدود آرڈیننس میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں کی سزا ایک جیسی رکھی ہے، حالانکہ زنا بالجبر زیادہ بڑا جرم ہے۔ اور اس کی سزا زیادہ سخت ہونی چاہیے۔

یہ اعتراض اس لیے درست نہیں ہے کہ اگر زنا کا مجرم شادی شدہ ہے اور محصن کی تعریف میں آتا ہے تو اس کی سزا آرڈیننس میں رجم قرار دی گئی ہے خواہ وہ زنا بالرضا کا مرتکب ہوا ہو یا زنا بالجبر کا۔ رجم کی سزا کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سزائے موت ہو گی۔ اب سزائے موت کے بعد کسی مزید سخت سزا کا کیا تصور ہو سکتا ہے؟

ہاں اگر مجرم شادی شدہ یا محصن کی تعریف میں نہیں آتا تو وہاں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق ممکن ہے کیونکہ ایسے شخص کی حدِ شرعی سو کوڑے ہیں۔ چنانچہ حدود آرڈیننس نے یہاں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق رکھا ہے۔ زنا بالرضا میں سزا صرف سو کوڑے ہے، اور زنا بالجبر میں آرڈیننس کی دفعہ ۶ (۳) بی میں سو کوڑے کے علاوہ عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کوئی سزا بھی دے سکتی ہے جس میں سزائے موت بھی داخل ہے۔

اسی طرح تعزیر میں بھی زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو آرڈیننس کی دفعہ ۱۰ (۲) اور ۱۰ (۳) کا موازنہ کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی واقعے کے مطابق نہیں ہے۔

عورت کی گواہی

جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں، حدود آرڈیننس کی ایک دفعہ واقعۃً ایسی ہے جس میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا گیا ہے، اور وہ ہے حد کے مقدمے میں گواہی، حدود آرڈیننس میں کسی شخص کے خلاف حد کی سزا جاری کرنے کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کے خلاف تمام گواہ مرد ہوں، عورتوں کی گواہی کو حد کے معاملے میں معتبر قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن اس سلسلے میں حقیقت پسندی کے ساتھ چند نکات پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱)...... پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد و عورت کے درمیان یہ فرق صرف حد کی سزا میں رکھا گیا ہے، تعزیر میں نہیں یعنی تعزیر کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی بھی نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ حدود آرڈیننس کی رُو سے اگر گواہی صرف عورت ہی کی ہو تو دوسرے قرائن (Circumstantial evidence) کے ساتھ مل کر صرف عورت کی گواہی پر بھی ملزم کو سزا یاب کیا جا سکتا ہے، اور کیا گیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت ۹۹ فیصد سے بھی زائد مقدمات تعزیر کے ہوتے ہیں، حد کی شرائط چونکہ بہت کڑی ہیں، اس لیے عملاً پچھلے بیس پچیس سال میں حد کے مقدمات انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اور ان میں بھی بالآخر میری معلومات کی حد تک صرف ایک حدِ قذف جاری ہوئی ہے، لہٰذا اب تک حد کے معاملے میں عورت کی گواہی معتبر نہ ماننے سے کوئی حقیقی عملی فرق واقع نہیں ہوتا۔

(۲)...... دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے حدود میں جہاں سزائیں بہت سخت رکھی ہیں، وہاں اس کے نفاذ کی شرائط بھی انتہائی سخت ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود کے نفاذ کی نوبت نہ آنے دو، مقصد بظاہر یہ ہے کہ حدود کی سخت سزائیں کم سے کم نافذ ہوں، لیکن جب نافذ ہوں تو وہ مجرموں پر اپنی دھاک بٹھا دیں، یہی وجہ ہے کہ نہایت معمولی معمولی شبہات کی بناء پر کسی شخص پر حد جاری ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ یوں تو ہر جرم میں قاعدہ یہ ہے کہ جہاں جرم کے ارتکاب میں یا اس پر سزا کے واجب النفاذ ہونے میں کوئی معقول شبہ ہو۔ وہاں ملزم کو شک کا فائدہ دے کر بری کر دیا جاتا ہے۔ لیکن حدود کے معاملے میں بات معقول شبہ سے بھی آگے ہے، اگر شبہ محض تکنیکی نوعیت کا ہو، تب بھی حد جاری نہیں کی جاتی۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی حد اسی وقت جاری ہو سکتی ہے جب گواہوں نے چور کو سامان باہر نکالتے وقت دیکھا ہو، اگر ایک چور سامان لے کر کسی گھر سے باہر نکل آیا ہے، اور اس وقت گواہوں نے اسے دیکھا تو حد جاری نہیں ہوگی، بلکہ ایسا شخص تعزیر کا مستوجب ہوتا ہے۔

(۳)...... تیسری بات یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی کے بارے میں قرآن کریم کی سورۂ بقرہ میں ایک نص ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ قرار دیا جائے۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں عورت کی گواہی کو مرد کے نصف قرار دیا گیا ہے۔ بہت سے حضرات نے اس کی مختلف

حکمتیں بیان کی ہیں مثلاً بعض حضرات نے کہا ہے کہ عورت میں کچھ حیاتیاتی عوامل (Biological factors) ایسے ہیں جن کی بناء پر خاص خاص حالتوں میں اسے اپنی سوچ میں توازن برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کی اور حکمتیں بھی بیان کی ہیں، لیکن میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ اگر قرآن کریم نے واضح طور پر کوئی حکم دیا ہو تو اس کی تعمیل کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی تمام حکمتیں ہماری سمجھ میں ضرور آ جائیں، ایک مومن ہونے کے ناطے وہ ہمیں تسلیم کرنا ہی ہوگا، خواہ اس کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

بہرحال! قرآن کریم نے عورت کی گواہی کو جو مرد کی گواہی سے نصف قرار دیا ہے، اس کی بناء پر فقہاء کرام کی اکثریت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ بات عورت کی گواہی میں ایک ایسا ٹیکنیکی شبہ پیدا کر دیتی ہے جو کسی ملزم سے حد کی سخت سزا ساقط کر دینے کے لیے کافی ہے۔

جب اسلامی نظریاتی کونسل میں یہ مسودۂ قانون زیر بحث تھا تو اس وقت اس مسئلے پر طویل غور و فکر ہوا، اس وقت کونسل کے ارکان میں جناب اے کے بروہی، جناب خالد اسحاق، جناب جسٹس افضل چیمہ اور جناب جسٹس صلاح الدین بھی موجود تھے، لیکن کسی نے اس موضوع پر کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔ تاہم چونکہ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے جس میں بعض تابعی فقہاء کا موقف یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے نصابِ شہادت کے مطابق حدود میں بھی خواتین کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے، اس لیے اس موضوع پر مزید غور و فکر اور تحقیق کی گنجائش موجود ہے، لہٰذا اہل علم کے کسی اجتماع میں اس مسئلے کا تحقیقی مطالعہ کیا جا سکتا ہے لیکن صرف اس بناء پر ''حدود آرڈیننس'' کو بالکل ختم کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض حلقوں کی طرف سے مطالبہ ہو رہا ہے۔

چند تجاویز

اب میں حدود آرڈیننس کے چند ان اُمور کا مختصراً تذکرہ کروں گا جو خود میری رائے میں قابل اصلاح ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام تو ہر تنقید سے بالاتر ہیں، لیکن ان احکام کو قانونی شکل دینے کے لیے جو مسودہ تیار کیا جاتا ہے، وہ چونکہ ایک انسانی عمل ہے، اس لیے اس میں اصلاح و ترمیم کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، حدود کے قوانین اگرچہ علماء شریعت اور ماہرین قانون کی مشترک کاوش کے نتیجے میں بنے ہیں، اور ان پر مختلف مرحلوں پر اور مختلف دائروں میں طویل غور و فکر ہوا ہے۔ اس کے باوجود نہ انہیں غلطیوں سے پاک کہا جا سکتا ہے، نہ ان میں اصلاح و ترمیم کا دروازہ بند سمجھنا چاہیے۔

میری نظر میں چند اُمور ہیں جو ان قوانین میں اصلاح طلب ہیں:

(۱)...... پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے ناقص مطالعے کی حد تک قرآن کریم و سنت کی روشنی میں ''زنا موجبِ تعزیر'' (Zina liable to Tazir) کوئی چیز نہیں ہوتی۔ قرآن و سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنا یا تو موجبِ حد ہے یا پھر وہ زنا نہیں ہے۔ اس اعتبار سے مجھے اس بات کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک شخص کے

خلاف زنا موجبِ حد ثابت نہ ہو پھر بھی اسے زانی یا زانیہ کہا جائے۔ حدود آرڈیننس میں صورتحال یہ ہے کہ جہاں حدِ زنا کی شرائط پوری نہ ہوں، پھر بھی اسے زنا کہہ کر ہی تعزیر دی جاتی ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ بات قابل اصلاح ہے۔ ایسی صورت میں ملزم کے جرم کو زنا نہیں کہا جاسکتا، اسے زنا سے کمتر کوئی اور جرم قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً فحاشی یا سیہ کاری وغیرہ، لیکن اسے زنا قرار دینا درست نہیں۔

(۲)...... دوسری بات یہ ہے کہ آرڈیننس میں حد کی تمام سزاؤں میں گواہیوں کے لیے "تزکیۃ الشھود" لازمی قرار دیا گیا ہے۔ "تزکیۃ الشھود" کا مطلب ہے گواہوں کی جانچ کہ وہ عدالت کے مطلوب معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس کا کوئی متعین طریقِ کار فراہم نہیں کیا گیا۔ ماضی کی اسلامی حکومتوں میں عدالتوں کے ساتھ "تزکیۃ الشھود" ایک باقاعدہ انسٹی ٹیوشن کے تحت انجام دیا جاتا تھا۔ عدالت کے ساتھ گواہوں کی تفتیش کے لیے باقاعدہ مزکّی مقرر ہوتے تھے۔ آج یہ انسٹی ٹیوشن موجود نہیں ہے، اور آج کے کرپٹ ماحول میں اس کو ایک انسٹی ٹیوشن کے طور پر وجود میں لانا بھی آسان نہیں، لہٰذا اس کا کوئی متبادل انتظام ضروری ہے، جو آج کے حالات میں گواہوں کے معیارِ صداقت کو جانچ سکے۔ چونکہ حدود کے قوانین میں اس کا کوئی متعین طریقہ موجود نہیں، اس لیے عدالتیں اپنے طور پر تزکیہ کی شرط کو جس طرح سمجھ میں آتا ہے پوری کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جس سے بعض اوقات بڑی مضحکہ خیز صورتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ آج کے ماحول میں گواہوں پر جرح کے وقت مخالف پارٹی کی طرف سے ایسے سوال کیے جاسکتے ہیں جو تزکیہ کا مقصد پورا کرسکیں۔ اگر مخالف پارٹی کو ایسے سوالات پوچھنے کا ایک نظام بنایا جائے جو گواہ کی دیانت اور معیارِ عدالت سے متعلق ہوں، اور اس میں موجودہ طریقِ کار کے مقابلے میں مزید توسع سے کام لیا جائے تو شاید اس سے تزکیہ کا منشا پورا ہوسکے۔ اس موضوع پر بھی علماء و ماہرین قانون اور عدالت کے تجربہ کار حضرات کو غور کرنا چاہیے۔

(۳)...... یہ بات درست ہے کہ شریعت کا منشأ یہ ہے کہ حدود کی سخت سزائیں کم سے کم جاری ہوں، اسی بناء پر حد کے لیے شرائط بہت سخت رکھی گئی ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی شریعت کا منشأ نہیں ہے کہ حدود بالکل معطّل ہی ہوکر رہ جائیں۔ اس لحاظ سے بھی "حدود آرڈیننس" پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے کہ اس میں کون سی ایسی شرائط ہیں جو منصوص نہیں ہے اور حدود میں تعطّل کا سبب بن رہی ہیں؟

(۴)...... "حدود آرڈیننس" میں جہاں اُن جرائم کے بارے میں قانون سازی کی گئی ہے جن پر شریعت نے حد مقرر کی ہے، وہاں اُن سے ملتے جلتے دوسرے جرائم بھی شامل کیے گئے ہیں، اور ان میں قید کی بہت لمبی لمبی سزائیں تجویز کی گئی ہیں، اور ہوا یہ ہے کہ بہت سے جرائم جو تعزیراتِ پاکستان میں شامل تھے، ان قوانین میں انہیں اس طرح منتقل کردیا گیا ہے کہ ان میں قید کی سزاؤں کی میعاد بڑھادی گئی ہے۔ اسلام کا منشأ یہ نہیں ہے کہ لوگ عمریں جیلوں میں گذاردیں، ان کے خاندان مصائب کا شکار ہوتے رہیں، اور ان کی

اصلاح وتربیت کا کوئی انتظام نہ ہو۔ اسلامی نظامِ قانون میں جیل کا بے شک تصور ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کچھ اصلاحات بھی چاہتا ہے، تاکہ مجرم کی قید کے باعث اس کا خاندان کم سے کم متأثر ہو۔ اور ان کی اصلاح وتربیت کا انتظام ہو، فقہاء کرامؒ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کسی کو لمبی قید ہوئی ہو تو اسے سزا کے دوران ایسے مناسب وقفے دینے چاہئیں جن میں وہ اپنے اہل خاندان کی ضروریات پوری کرسکے۔

(۵)...... یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ''حدود کے قوانین'' اسلام کی تعلیمات اور احکام کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں، یہ کُل اسلام نہیں ہیں۔ ان قوانین کا نفاذ معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا ایک مرحلہ تھا، منزل نہیں تھی۔ ان قوانین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم، نظامِ معیشت، ریاستی انتظامات، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں اور عدلیہ ہر سطح پر مربوط اور منظم اصلاحات کی ضرورت تھی۔ افسوس ہے کہ حدود کے قوانین نافذ کرنے کے بعد ''اسلامائزیشن'' کا عمل اس منصوبے بندی کے مطابق جاری نہیں رہا جس کے ایک حصے کے طور پر یہ قوانین نافذ کیے گئے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مطلوب نتائج ظاہر نہیں ہوئے۔ بعض حضرات اس صورتحال کے پیش نظر یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ ہمہ جہتی اصلاح کا یہ عمل جاری نہ رہ سکا، اس لیے یہ قوانین بھی ختم کردینے چاہئیں، حالانکہ بدیہی طور پر یہ اُلٹا فلسفہ ہے، اگر ایک قدم صحیح سمت میں اٹھا ہو لیکن اس کے لوازم پورے نہ ہونے کی بناء پر اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے ہوں تو صحیح طریقہ یہ نہیں کہ وہ قدم پیچھے ہٹالیا جائے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے لوازم پورے کرنے میں جو کچھ کوتاہی ہوئی ہے، اُسے دور کرکے اس صحیح سمت میں اٹھے ہوئے قدم کو مؤثر بنایا جائے۔

ہمارے نظامِ قانون میں ہر جرم کے لیے کوئی نہ کوئی سزا موجود ہے، لیکن تفتیش واحتساب اور عدلیہ کی کمزوریوں کی بناء پر جرائم کی شرح میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہو رہا ہے، ہیروئن کی خرید وفروخت اور استعمال پر وقفوں وقفوں سے سخت سزائیں نت نئے قوانین کے ذریعے نافذ کی گئی ہیں، لیکن جرم ہے کہ اس میں کمی آکر نہیں دے رہی۔ لیکن اس صورتحال کا یہ نتیجہ کوئی نہیں نکالتا کہ ان تمام جرائم کی یہ سزائیں ختم کردینی چاہئیں اس کے بجائے مسئلے کا حل یہی بتایا جاتا ہے کہ تفتیش سے لے کر مقدمہ چلنے تک کا جو نظام ہے اُسے درست کیا جائے لیکن جب حدود قوانین کا معاملہ آتا ہے تو منطق اُلٹی کردی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ حالات کی اصلاح کرنے کے بجائے ان قوانین ہی کو ختم کردینا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس موضوع پر آپ حضرات کا بہت سا وقت لے لیا ہے، اور اب میں آپ کے صبر وضبط کا مزید امتحان لینے کے بجائے اس شکریہ کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ آپ نے میری خشک گذارشات کو صبر وتحمل کے ساتھ سنا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

حدود ترمیمی بل کیا ہے؟

ایک مطالعہ

حال ہی میں ''تحفظ حقوق نسواں بل'' کے نام سے قومی اسمبلی میں جو بل منظور کرایا گیا ہے، اس کے قانونی مضمرات سے تو وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو قانونی باریکیوں کی فہم رکھتے ہوں، لیکن عوام کے سامنے اس کی جو تصویر پیش کی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس نے خواتین پر جو بے پناہ مظالم توڑ رکھے تھے، اس بل نے اُن کا مداوا کیا ہے، اور اس سے نہ جانے کتنی ستم رسیدہ خواتین کو سکھ چین نصیب ہوگا۔ یہ دعویٰ بھی کیا جارہا ہے کہ اس بل میں کوئی بات قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے۔

آیئے ذرا سنجیدگی اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ دیکھیں کہ اس بل کی بنیادی باتیں کیا ہیں؟ وہ کس حد تک ان دعووں کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں، پورے بل کا جائزہ لیا جائے تو اس بل کی جوہری (Substantive) باتیں صرف دو ہیں:

(۱)...... پہلی بات یہ ہے کہ زنا بالجبر کی جو سزا قرآن وسنت نے مقرر فرمائی ہے، اور جسے اصطلاح میں ''حد'' کہتے ہیں، اُسے اس بل میں مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے، اس کی رُو سے زنا بالجبر کے کسی مجرم کو کسی بھی حالت میں وہ شرعی سزا نہیں دی جاسکتی، بلکہ اُسے ہر حالت میں تعزیری سزا دی جائے گی۔

(۲)...... دوسری بات یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں جس جرم کو زنا موجب تعزیر کہا گیا تھا، اُسے اب ''فحاشی'' (Lewdness) کا نام دے کر اس کی سزا کم کر دی گئی ہے، اور اس کے ثبوت کو مشکل تر بنا دیا گیا ہے۔

اب ان دونوں جوہری باتوں پر ایک ایک کر کے غور کرتے ہیں:

زنا بالجبر کی شرعی سزا (حد) کو بالکلیہ ختم کر دینا واضح طور پر قرآن وسنت کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ لیکن کہا یہ جارہا ہے کہ قرآن وسنت نے زنا کی جو حد مقرر کی ہے، وہ صرف اس صورت میں لاگو ہوتی ہے جب زنا کا ارتکاب دو مرد وعورت نے باہمی رضامندی سے کیا ہو، لیکن جہاں کسی مجرم نے کسی عورت سے اس کی رضامندی کے بغیر زنا کیا ہو، اس پر قرآن وسنت نے کوئی حد عائد نہیں کی۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ یہ دعویٰ کس حد تک صحیح ہے؟

(۱)......قرآن کریم نے سورۂ نور کی دوسری آیت میں زنا کی حد بیان فرمائی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

جو عورت زنا کرے، اور جو مرد زنا کرے، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ (النور:۳)

اس آیت میں ''زنا'' کا لفظ مطلق ہے جو ہر قسم کے زنا کو شامل ہے، اس میں رضامندی سے کیا ہوا زنا بھی داخل ہے، اور زبردستی کیا ہوا زنا بھی۔ بلکہ یہ عقلِ عام (Common Sense) کی بات ہے کہ زنا بالجبر کا جرم رضامندی سے کیے ہوئے زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے، لہٰذا اگر رضامندی کی صورت میں یہ حد عائد ہو رہی ہے تو جبر کی صورت میں اس کا اطلاق اور زیادہ قوت کے ساتھ ہوگا۔

اگرچہ اس آیت میں ''زنا کرنے والی عورت'' کا بھی ذکر ہے، لیکن خود سورۂ نور ہی میں آگے چل کر اُن خواتین کو سزا سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جن کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

اور جو ان خواتین پر زبردستی کرے تو اللہ تعالیٰ ان کی زبردستی کے بعد (ان خواتین) کو بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ جس عورت کے ساتھ زبردستی ہوئی ہو، اسے سزا نہیں دی جاسکتی البتہ جس نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے، اس کے بارے میں زنا کی وہ حد جو سورۂ نور کی آیت نمبر ۲ میں بیان کی گئی تھی، پوری طرح نافذ رہے گی۔

(۲)......سو کوڑوں کی مذکورہ بالا سزا غیر شادی شدہ اشخاص کے لیے ہے، سنت متواترہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر مجرم شادی شدہ ہو تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگساری کی یہ حد جس طرح رضامندی سے کیے ہوئے زنا پر جاری فرمائی، اسی طرح زنا بالجبر پر بھی جاری فرمائی۔

''چنانچہ حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے کے ارادے سے نکلی، راستے میں ایک شخص نے اُس سے زبردستی زنا کا ارتکاب کیا، اس عورت نے شور مچایا تو وہ بھاگ گیا، بعد میں اُس شخص نے اعتراف کرلیا کہ اُسی نے عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص پر حد جاری فرمائی، اور عورت پر حد جاری نہیں کی''۔

امام ترمذیؒ نے یہ حدیث اپنی جامع میں دو سندوں سے روایت کی ہے اور دوسری سند کو قابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ (جامع ترمذی، کتاب الحدود باب ۲۲، حدیث ۱۴۵۳، ۱۴۵۴)

(۳)......''صحیح بخاریؒ میں روایت ہے کہ ایک غلام نے ایک باندی کے ساتھ زنا بالجبر کا ارتکاب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرد پر حد جاری فرمائی، اور عورت کو سزا نہیں دی، کیونکہ اس کے ساتھ زبردستی ہوئی

تھی۔''   (صحیح بخاریؒ، کتاب الاکراہ، باب نمبر ۶)

لہٰذا قرآن کریم، سنت نبویہ علی صاحبہا السلام اور خلفاء راشدین کے فیصلوں سے یہ بات کسی شبہہ کے بغیر ثابت ہے کہ زنا کی حد جس طرح رضامندی کی صورت میں لازم ہے، اسی طرح زنا بالجبر کی صورت میں بھی لازم ہے، اور یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ قرآن وسنت نے زنا کی جو حد (شرعی سزا) مقرر کی ہے وہ صرف رضامندی کی صورت میں لاگو ہوتی ہے، جبر کی صورت میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر کس وجہ سے زنا بالجبر کی شرعی سزا کو ختم کرنے پر اصرار کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ دراصل ایک انتہائی غیر منصفانہ پروپیگنڈا ہے جو حدود آرڈیننس کے نفاذ کے وقت سے بعض حلقے کرتے چلے آرہے ہیں، پروپیگنڈا یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت اگر کوئی مظلوم عورت کسی مرد کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرائے تو اُس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ زنا بالجبر پر چار گواہ پیش کرے اور جب وہ چار گواہ پیش نہیں کرسکتی تو اُلٹا اُسی کو گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو عرصۂ دراز سے بے تکان دہرائی جارہی ہے، اور اس شدت کے ساتھ دہرائی جارہی ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں، اور یہی وہ بات ہے جسے صدرِ مملکت نے بھی اپنی نشری تقریر میں اس بل کی واحد وجہ جواز کے طور پر پیش کیا ہے۔

جب کوئی بات پروپیگنڈے کے زور پر گلی گلی اتنی مشہور کردی جائے کہ وہ بچہ بچہ کی زبان پر ہو تو اس کے خلاف کوئی بات کہنے والا عام نظروں میں دیوانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن جو حضرات انصاف کے ساتھ مسائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، میں انہیں دلسوزی کے ساتھ دعوت دیتا ہوں کہ وہ براہِ کرم پروپیگنڈے سے ہٹ کر میری آئندہ معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ میں خود پہلے وفاقی شریعت عدالت کے جج کی حیثیت سے اور پھر سترہ سال تک سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ کے رکن کی حیثیت سے حدود آرڈیننس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی براہِ راست سماعت کرتا رہا ہوں۔ اتنے طویل عرصے میں میرے علم میں کوئی ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں زنا بالجبر کی کسی مظلومہ کو اس بناء پر سزا دی گئی ہو کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کرسکی، اور حدود آرڈیننس کے تحت ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت چار گواہوں یا ملزم کے اقرار کی شرط صرف زنا بالجبر موجب حد کے لیے تھی، لیکن اسی کے ساتھ دفعہ ۱۰ (۳) زنا بالجبر موجب تعزیر کے لیے رکھی گئی تھی جس میں چار گواہوں کی شرط نہیں تھی، بلکہ اس میں جرم کا ثبوت کسی ایک گواہ، طبی معائنے اور کیمیاوی تجزیہ کار کی رپورٹ سے بھی ہوجاتا تھا۔ چنانچہ زنا بالجبر کے بیشتر مجرم اسی دفعہ کے تحت ہمیشہ سزا یاب ہوتے رہے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو مظلومہ چار گواہ نہیں لاسکی، اگر اُسے کبھی سزا دی گئی ہو تو حدود آرڈیننس کی کونسی دفعہ کے تحت دی گئی ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ اُسے قذف (یعنی زنا کی جھوٹی تہمت لگانے) پر سزا دی گئی تو

قذف آرڈیننس کی دفعہ۳ استثنا نمبر۲ میں صاف صاف یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ جو شخص قانونی اتھارٹیز کے پاس زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائے اُسے صرف اس بناء پر قذف میں سزا نہیں دی جاسکتی کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکا/کرسکی۔ کوئی عدالت ہوش وحواس میں رہتے ہوئے ایسی عورت کو سزا دے ہی نہیں سکتی، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اُسی عورت کو رضا مندی سے زنا کرنے کی سزا دی جائے، لیکن اگر کسی عدالت نے ایسا کیا ہو تو اس کی یہ وجہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خاتون چار گواہ نہیں لاسکی بلکہ واحد ممکن وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عدالت شہادتوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ عورت کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد پر یہ الزام عائد کرے کہ اس نے زبردستی اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اور بعد میں شہادتوں سے ثابت ہو کہ اس کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ رضا مندی کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوئی تو اسے سزایاب کرنا انصاف کے کسی تقاضے کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن چونکہ عورت کو یقینی طور پر جھوٹا قرار دینے کے لیے کافی ثبوت عموماً موجود نہیں ہوتا، اس لیے ایسی مثالیں بھی اکاّ دکاّ ہیں، ورنہ ۹۹ فیصد مقدمات میں یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ عدالت کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوتا کہ مرد کی طرف سے جبر ہوا ہے، لیکن چونکہ عورت کی رضا مندی کا کافی ثبوت بھی موجود نہیں ہوتا، اس لئے ایسی صورت میں بھی عورت کو شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حدود آرڈیننس کے تحت پچھلے ۲۷ سال میں جو مقدمات ہوئے ہیں، ان کا جائزہ لے کر اس کی تصدیق آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ میرے علاوہ جن جج صاحبان نے یہ مقدمات سنے ہیں اُن سب کا تأثر بھی میں نے ہمیشہ یہی پایا کہ اس قسم کے مقدمات میں جہاں عورت کا کردار مشکوک ہو، تب بھی عورتوں کو سزا نہیں ہوتی، صرف مرد کو سزا ہوتی ہے۔

چونکہ حدود آرڈیننس کے نفاذ کے وقت ہی سے یہ شور بکثرت مچتا رہا ہے کہ اس کے ذریعے بے گناہ عورتوں کو سزا ہو رہی ہے، اس لیے ایک امریکی اسکالر چارلس کینیڈی یہ شور سن کر ان مقدمات کا سروے کرنے کے لیے پاکستان آیا، اس نے حدود آرڈیننس کے مقدمات کا جائزہ لے کر اعداد وشمار جمع کیے اور اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کیے جو شائع ہوچکی ہے۔ اس رپورٹ کے نتائج بھی مذکورہ بالا حقائق کے عین مطابق ہیں۔ وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

"Women fearing conviction under section 10(2) frequently bring charges of rape under 10(3) against their alleged partners. The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charge, convict the male accused under section 10(2).... the woman is exonerated of any wrong doing due to 'reasonable doubt' rule."

(Charles Kennedy : The Status of Woman in Islamization of

Laws P-74)

''جن عورتوں کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہے، وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف ۱۰(۳) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لے کر آ جاتی ہیں، فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس لیے وہ مرد ملزم کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کی) سزا دیدیتا ہے...... اور عورت ''شک کے فائدے'' والے قاعدے کی بناء پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔''

یہ ایک غیر جانبدار غیر مسلم اسکالر کا مشاہدہ ہے جسے حدود آرڈیننس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اور ان عورتوں سے متعلق ہے جنہوں نے بظاہر حالات رضا مندی سے غلط کاری کا ارتکاب کیا، اور گھر والوں کے دباؤ میں آ کر اپنے آشنا کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرایا، اُن سے چار گواہوں کا نہیں، قرائنی شہادت (Circumstantial evidence) کا مطالبہ کیا گیا، اور وہ قرائنی شہادت بھی ایسی پیش نہ کر سکیں جس سے جبر کا عنصر ثابت ہو سکے۔ اس کے باوجود سزا صرف مرد کو ہوئی اور شک کے فائدے کی وجہ سے اس صورت میں بھی ان کو کوئی سزا نہیں ہوئی۔

لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی رُو سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت کو چار گواہ پیش نہ کرنے کی بناء پر اُلٹا سزایاب کیا جا سکے۔

البتہ یہ ممکن ہے اور شاید چند واقعات میں ایسا ہوا بھی ہو کہ مقدمے کے عدالت تک پہنچنے سے پہلے تفتیش کے مرحلے میں پولیس نے قانون کے خلاف کسی عورت کے ساتھ یہ زیادتی کی ہو کہ وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی، لیکن انہوں نے اسے زنا بالرضا میں گرفتار کر لیا۔ لیکن اس زیادتی کا حدود آرڈیننس کی کسی خامی سے کوئی تعلق نہیں ہے اس قسم کی زیادتیاں ہمارے ملک کی پولیس ہر قانون کی تنفیذ میں کرتی رہتی ہے، اس کی وجہ سے قانون کو نہیں بدلا جاتا، ہیروئن رکھنا قانوناً جرم ہے مگر پولیس کتنے بے گناہوں کے سر ہیروئن ڈال کر انہیں تنگ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہیروئن کی ممانعت کا قانون ہی ختم کر دیا جائے۔

زنا بالجبر کی مظلوم عورتوں کے ساتھ اگر پولیس نے بعض صورتوں میں ایسی زیادتی کی بھی ہے تو فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلوں کے ذریعے اس کا راستہ بند کیا ہے، اور اگر بالفرض اب بھی ایسا کوئی خطرہ موجود ہو تو ایسا قانون بنایا جا سکتا ہے جس کی رُو سے یہ طے کر دیا جائے کہ زنا بالجبر کی مستغیثہ کو مقدمے کا آخری فیصلہ ہونے تک حدود آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو شخص ایسی مظلومہ کو گرفتار کرے، اُسے قرار واقعی سزا دینے کا قانون بھی بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی بناء پر ''زنا بالجبر'' کی حدِ شرعی کو ختم کر دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

لہٰذا زیر نظر بل میں زنا بالجبر کی حدِ شرعی کو جس طرح بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہے، وہ قرآن وسنت کے واضح طور

برخلاف ہے،اوراس کا خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

فحاشی

زیر نظر بل کی دوسری اہم بات اُن دفعات سے متعلق جو فحاشی کے عنوان سے بل میں شامل کی گئی ہیں۔
حدود آرڈیننس میں احکام یہ تھے کہ اگر زنا پر شرعی اصول کے مطابق چار گواہ موجود ہوں تو آرڈیننس کی دفعہ ۵ کے تحت مجرم پر زنا کی حد (شرعی سزا) جاری ہوگی، اور اگر چار گواہ نہ ہوں، مگر فی الجملہ جرم ثابت ہو تو اُسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ اب اس بل میں حدود آرڈیننس کی دفعہ ۵ کے تحت زنا بالرضا کی حد شرعی تو باقی رکھی گئی ہے جس کے لیے چار گواہ شرط ہیں، لیکن بل کی دفعہ ۸ کے ذریعے اُسے ناقابل دست اندازئ پولیس قرار دے کر یہ ضروری قرار دیدیا گیا ہے کہ کوئی شخص چار گواہوں کو ساتھ لے کر عدالت میں شکایت درج کرائے۔ پولیس میں اس کی ایف آئی آر (FIR) درج نہیں کی جاسکتی، اور اس طرح زنا قابل حد ثابت کرنے کے طریق کار کو مزید دشوار بنادیا گیا ہے۔ اسی طرح چار گواہوں کی غیر موجودگی میں زنا کی جو تعزیری سزا حدود آرڈیننس میں تھی، اُس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

(۱)......حدود آرڈیننس میں اس جرم کو ''زنا موجبِ تعزیر'' کہا گیا تھا۔ اب زیر نظر بل میں اس کا نام بدل کر ''فحاشی'' (Lewdness) کر دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی بالکل درست اور قابل خیر مقدم ہے کیونکہ قرآن و سنت کی رُو سے چار گواہوں کی غیر موجودگی میں کسی کے جرم کو زنا قرار دینا مشکل تھا، البتہ اُسے ''زنا'' سے کم تر کوئی نام دینا چاہیے تھا۔ حدود آرڈیننس میں یہ کمزوری پائی جاتی تھی جسے دور کرنے کی سفارش علماء کمیٹی نے بھی کی تھی۔

(۲)......حدود آرڈیننس میں اس جرم کی سزا دس سال تک ہوسکتی تھی، بل میں اسے گھٹا کر پانچ سال تک کردیا گیا ہے، بہرحال! چونکہ یہ تعزیر ہے، اس لیے اس تبدیلی کو بھی قرآن وسنت کے خلاف نہیں کہا جاسکتا۔

(۳)......حدود آرڈیننس کے تحت ''زنا'' ایک قابل دست اندازئ پولیس (Cognizable) جرم تھا۔ زیر نظر بل میں اُسے ناقابل دست اندازئ پولیس جرم قرار دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس جرم کی ایف آئی آر تھانے میں درج نہیں کرائی جاسکتی، بلکہ اس کی شکایت (Complaint) عدالت میں کرنی ہوگی۔ اور شکایت کے وقت دو عینی گواہ ساتھ لے جانے ہوں گے، جن کا بیان حلفی عدالت فوراً قلمبند کرے گی، اس کے بعد اگر عدالت کو یہ اندازہ ہو کہ مزید کارروائی کے لیے کافی وجہ موجود ہے تو وہ ملزم کو سمن جاری کرے گی، اور آئندہ کارروائی میں ملزم کی حاضری یقینی بنانے کے لیے ذاتی مچلکہ کے سوا کوئی ضمانت طلب نہیں کرے گی، اور اگر اندازہ ہو کہ کارروائی کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے تو مقدمہ اسی وقت خارج کردے گی۔

اس طرح ''فحاشی'' کے جرم کو ثابت کرنا اتنا دشوار بنادیا گیا ہے کہ اس کے تحت کسی کو سزا ہونا عملاً بہت مشکل ہے۔

اوّل تو اسلامی احکام کے تحت زنا اور فحاشی کا جرم معاشرے اور اسٹیٹ کے خلاف جرم ہے، محض کسی فرد کے خلاف نہیں، اس لیے اسے قابل دست اندازئ پولیس ہونا چاہیے۔ بلاشبہ اس جرم کو قابل دست اندازئ پولیس قرار دیتے وقت یہ پہلو ضرور مدنظر رہنا چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں پولیس کا جو کردار رہا ہے، اس میں وہ بے گناہ جوڑوں کو جا و بے جا ہراساں نہ کرے۔ اس بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے متعدد فیصلے موجود ہیں جن کے بعد یہ خطرہ بڑی حد تک کم ہو گیا تھا، اور ستائیس سال تک یہ جرم قابل دست اندازئ پولیس رہا ہے۔ اور اس دوران اس جرم کی بناء پر لوگوں کو ہراساں کرنے کے واقعات بہت ہی کم ہوئے ہیں۔ لیکن اس خطرے کا مزید سدباب کرنے کے لیے یہ کیا جا سکتا تھا کہ جرم کی تفتیش ایس پی کے درجے کا کوئی پولیس آفیسر کرے، اور عدالت کے حکم کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے۔ ان اقدامات سے یہ رہا سہا خطرہ ختم ہو سکتا تھا۔

دوسرے شکایت کرنے والے پر یہ ذمہ داری عائد کرنا کہ وہ فوراً حد کی صورت میں چار اور فحاشی کی صورت میں دو عینی گواہ لے کر آئے، ہمارے فوجداری قانون کے نظام میں بالکل نرالی مثال ہے۔ ہمارے پورے نظامِ شہادت میں حدود کے سوا کسی بھی مقدمے یا جرم کے ثبوت کے لیے گواہوں کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ کسی چشم دید گواہ کے بغیر صرف قرائنی شہادت (Circumstantial Evidence) پر بھی فیصلے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر مجرم میں طبی معائنے اور کیمیاوی تجزیہ کی رپورٹیں شہادت کا بہت اہم حصہ ہوتی ہیں، شرعاً تعزیر کسی ایک قابل اعتماد گواہ پر بھی جاری کی جا سکتی ہے اور قرائنی شہادت پر بھی۔ لہٰذا تعزیر کے معاملے میں عین شکایت درج کراتے وقت دو گواہوں کی شرط لگانا فحاشی کے مجرموں کو غیر ضروری تحفظ فراہم کرنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح ایسے ملزم کے لیے یہ لازم کر دینا کہ اس سے ذاتی مچلکے کے سوا کوئی اور ضمانت طلب نہیں کی جا سکے گی، عدالت کے ہاتھ باندھنے کے مترادف ہے، مقدمے کے حالات مختلف ہوتے ہیں، اور اسی لیے مجموعۂ ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۴۹۶ کے تحت عدالت کو پہلے ہی یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ حالات مقدمہ کے تحت اگر چاہے تو صرف ذاتی مچلکے پر ملزم کو رہا کر دے اور اگر چاہے تو اس سے دوسروں کی ضمانت بھی طلب کرے۔ ہلکے سے ہلکے جرم میں بھی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے، لیکن ''فحاشی'' جیسے جرم پر عدالت سے یہ اختیار سلب کر لینا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ اگر مقدمے کی کافی وجہ موجود نہ ہو تو عدالت مقدمہ خارج کر دے گی، سو عدالت کو مجموعۂ ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۲۰۳ کے تحت پہلے ہی یہ اختیار حاصل ہے۔ اُسے اس بل کا دوبارہ حصہ بنانے کا مقصد غیر واضح ہے۔

(۴)...... حدود آرڈیننس کے تحت اگر کسی شخص کے خلاف زنا موجب حد کا الزام ہو، اور مقدمے میں حد کی شرائط پوری نہ ہوں، لیکن فی الجملہ جرم ثابت ہو جائے تو اسے دفعہ ۱۰ (۳) کے تحت تعزیری سزا دی جا سکتی

تھی۔لیکن زیرِنظر بل کی رُو سے ضابطۂ فوجداری میں دفعہ ۲۰۳ سی کا جو اضافہ کیا گیا ہے اس کی شق نمبر ۶ میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو زنا موجبِ حد کے الزام سے بری ہو گیا ہو، اس کے خلاف فحاشی کا کوئی مقدمہ درج نہیں کرایا جا سکتا۔

اب یہ بات ظاہر ہے کہ زنا موجبِ حد کے لیے جو سخت ترین شرائط ہیں وہ بعض اوقات محض فنی وجوہ سے پوری نہیں ہوتیں، ایسی صورت میں جبکہ مضبوط شہادتوں سے فحاشی کا جرم ثابت ہو تو اس پر نہ صرف یہ کہ زنا کا مقدمہ سننے والی عدالت کوئی سزا جاری نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے خلاف فحاشی کی کوئی نئی شکایت بھی درج نہیں کی جا سکتی۔سوچنے کی بات ہے کہ ایسے شخص کے خلاف فحاشی کا مقدمہ دائر کرنے پر کلی پابندی عائد کردینا فحاشی کو تحفظ دینے کے سوا اور کیا ہے؟

اسی طرح مجوزہ بل کی دفعہ ۱۱۲ ے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر زنا بالجبر (موجب تعزیر یعنی ریپ) کا الزام ہو تو اس کے مقدمے کو کسی بھی مرحلے پر فحاشی کی شکایت میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے خلاف عورت نے زنا بالجبر کا الزام عائد کیا ہو، اور جبر کے ثبوت میں کوئی شک رہ جائے تو ملزم بری ہو جائے گا، اور اس کے خلاف فحاشی کی دفعہ کے تحت بھی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکے گی۔

جس زمانے میں زنا بالرضا کوئی جرم نہیں تھا، اس زمانے میں زنا بالجبر کے ملزمان اپنے دفاع میں یہ موقف اختیار کرتے تھے کہ زنا بے شک ہوا ہے لیکن عورت کی رضامندی سے ہوا ہے چنانچہ اگر عورت کی رضامندی کا عدالت کو شبہ بھی ہو جاتا تو وہ ملزم کو بری کر دیتی تھی۔حدود آرڈیننس میں زنا بالجبر کے ملزم کے لیے اپنے دفاع میں یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہی تھی، کیونکہ عورت کی رضامندی کے باوجود زنا جرم تھا۔اور جو عدالت زنا بالجبر کے مقدمے کی سماعت کر رہی ہے وہی اس کو زنا موجب تعزیر کے تحت سزا دے سکتی تھی۔لیکن اس نئی ترمیم کے بعد تقریباً وہی صورت لوٹ آئی ہے کہ اگر ملزم دھڑلے سے یہ کہے کہ میں نے عورت کی مرضی سے زنا کیا تھا، اور عورت کی مرضی کا کوئی شبہ پیدا کر دے تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔وہ عدالت جو اس کا یہ اعتراف سُن رہی ہے وہ تو اس لیے اس کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتی کہ مذکورہ بالا دفعہ نے اس کا یہ اختیار سلب کر لیا ہے کہ وہ زنا بالجبر کے مقدمے کو کسی وقت فحاشی کی شکایت میں تبدیل کرے۔اور اگر اس کے خلاف از سرِ نو فحاشی کا مقدمہ دائر کیا جائے تو اس امکان کے بارے میں دفعہ کے الفاظ مجمل ہیں، لیکن اگر کوئی اور وجہ بھی موجود نہ ہو تو دائر نہ کر سکنے کی یہ وجہ بھی کافی ہے کہ اس کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کوئی شخص دو عینی گواہوں کے ساتھ جا کر عدالت میں استغاثہ (Complaint) دائر کرے، اور یہاں دو عینی گواہ موجود نہیں ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص جرم سے بالکلیہ بری ہو جائے گا، اور اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی نئی کارروائی بھی نہیں ہو سکے گی۔

سوال یہ ہے کہ جس فحاشی کو جرم قرار دیا گیا ہے وہ واقعۃً کوئی جرم ہے یا نہیں؟ اگر جرم ہے تو اس کو تحفظ

دینے اور مجرم کا اس کی سزا سے بچاؤ کرنے کے لیے یہ دنیا سے نرالے قواعد کیوں وضع کیے جا رہے ہیں؟

حدود آرڈیننس میں کچھ مزید ترمیمات

زیر نظر بل کے ذریعے حدود آرڈیننس میں کچھ اور ترمیمات بھی کی گئی ہیں مثلاً:

(۱)...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب کسی شخص کے خلاف عدالتی کارروائی کے نتیجے میں حد کا فیصلہ ہو جائے تو اس کی سزا کو معاف یا کم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ حدود آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ شق ۵ میں کہا گیا تھا کہ ضابطۂ فوجداری کے باب ۱۹ میں صوبائی حکومت کو سزا معطل کرنے، اس میں تخفیف کرنے یا تبدیلی کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے، وہ حد کی سزا پر اطلاق پذیر نہیں ہوگا۔ زیر نظر بل کے ذریعے حدود آرڈیننس میں ایک اور اہم سنگین تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ حدود آرڈیننس کی اس دفعہ ۲ شق ۵ کو ختم کر دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عدالت کسی کو حد کی سزا دیدے تو حکومت کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس سزا میں تبدیلی یا تخفیف کر سکے۔

یہ ترمیم قرآن وسنت کے واضح ارشادات کے خلاف ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

مَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ پھر بھی اس معاملے میں ان کا کوئی اختیار باقی رہے۔ (الاحزاب:۳۶)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ مشہور ومعروف ہے جس میں آپؐ نے ایک ایسی عورت کے حق میں سفارش کرنے پر جس پر حد کا فیصلہ ہو چکا تھا اپنے محبوب صحابی حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ۱۲، حدث ۶۷۸۸)

اس بناء پر پوری امت کا اجماع ہے کہ حد کو معاف کرنے اور اس میں تخفیف کا کسی بھی حکومت کو اختیار نہیں ہے۔

لہٰذا بل کا یہ حصہ بھی صراحۃً قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

(۲)...... حدود آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں کہا گیا تھا کہ اس آرڈیننس کے احکام دوسرے قوانین پر بالا رہیں گے، یعنی اگر کسی دوسرے قانون اور حدود آرڈیننس میں کہیں کوئی تضاد ہو تو حدود آرڈیننس کے احکام قابل پابندی ہوں گے۔ زیر نظر بل میں اس دفعہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

یہ وہ دفعہ ہے جس سے نہ صرف بہت سی قانونی پیچیدگیاں دور کرنا مقصود تھا، بلکہ ماضی میں بہت سی ستم رسیدہ خواتین کی مظلومیت کا سدِ باب اسی دفعہ کے ذریعہ ہوا تھا۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عائلی قوانین کے تحت اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو وہ طلاق اس وقت

تک موثر نہیں ہوتی جب تک اس کا نوٹس یونین کونسل کے چیئرمین کو نہ بھیجا جائے۔ اگرچہ شرعی اعتبار سے طلاق کے بعد عدت گزار کر عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن عائلی قوانین کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک یونین کونسل کو طلاق کا نوٹس نہ جائے قانوناً وہ طلاق دینے والے شوہر کی بیوی ہے اور اسے کہیں اور نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اب ایسے بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ شوہر نے طلاق کا نوٹس یونین کونسل میں نہیں بھیجا، اور عورت نے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر عدت کے بعد دوسری شادی کر لی۔ اب اس ظالم شوہر نے عورت کے خلاف زنا کا دعویٰ کر دیا، کیونکہ عائلی قوانین کی رُو سے وہ ابھی تک اُسی کی بیوی تھی۔ جب اس قسم کے بعض مقدمات آئے تو سپریم کورٹ کی شریعت بینچ نے حدود آرڈیننس کی دوسرے امور کے علاوہ اس دفعہ ۳ کی بنیاد پر ان خواتین کو رہائی دلوائی، اور یہ کہا کہ آرڈیننس چونکہ شریعت کے مطابق بنایا گیا ہے، اور شریعت میں اس عورت کا دوسرا نکاح جائز ہے، اس لیے اس کے نکاح کے بارے میں عائلی قانون کا اطلاق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قانون دوسرے تمام قوانین پر بالا ہے۔

اب اس دفعہ کو ختم کرنے کے بعد اور بالخصوص آرڈیننس میں نکاح کی جو تعریف تھی، اسے بھی بل کے ذریعے ختم کر دینے کے بعد ایک مرتبہ پھر خواتین کے لیے یہ دشواری پیدا ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

علماء کمیٹی میں ہم نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا اور بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ اس کی جگہ مندرجہ ذیل دفعہ لکھی جائے گی:

"In the interpretation and application of this Ordinance the injunctions of Islam as laid down in the Holy Qur'an and Sunnah shall have effect, not withstanding any thing contained in any other law for the time being in force."

یعنی: ''اس آرڈیننس کی تشریح اور اطلاق میں اسلام کے وہ احکام جو قرآن کریم اور سنت نے متعین فرمائے ہیں بہرصورت مؤثر ہوں گے چاہے رائج الوقت کسی قانون میں کچھ بھی درج ہو۔''

لیکن اب جو بل قومی اسمبلی سے منظور کرایا گیا ہے، اس میں سے یہ دفعہ بھی غائب ہے، اور اس کے نتیجے میں بہت سے مسائل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳)...... قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱۴ میں قرآن کریم کے بیان کیے ہوئے لعان کا طریقہ درج ہے، یعنی اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو عورت کے مطالبے پر اُسے لعان کی کارروائی میں قسمیں کھانی ہوں گی۔ اور میاں بیوی کی قسموں کے بعد ان کے درمیان نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر شوہر لعان کی کارروائی سے انکار کرے تو اسے اس وقت تک حراست میں رکھا جائے گا، جب تک وہ لعان پر آمادہ نہ ہو، زیر نظر بل میں یہ حصّہ حذف کر دیا گیا ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر لعان پر آمادہ نہ ہو تو عورت بے بسی سے لٹکی رہے گی۔ نہ اپنی بے گناہی لعان کے ذریعے ثابت کر سکے گی اور نہ نکاح فسخ کرا سکے گی۔

نیز قذف آرڈیننس میں کہا گیا ہے کہ اگر لعان کی کارروائی کے دوران زنا کا اعتراف کر لے تو اس پر زنا کی سزا جاری ہوگی۔ زیرِ نظر بل میں یہ حصہ بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ اعتراف کر لینے کے بعد سزائے زنا کے جاری نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جبکہ لعان کی کارروائی عورت کے مطالبے پر ہی شروع ہوتی ہے اور اُسے اعتراف کرنے پر کوئی مجبور نہیں کرتا۔

لہٰذا بل کا یہ حصہ بھی قرآن وسنت کے احکام کے خلاف ہے۔

(۴)......زنا آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ میں یہ کہا گیا تھا کہ اگر عدالت کو شہادتوں سے یہ بات ثابت ہو کہ ملزم نے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا ہے جو حدود آرڈیننس کے علاوہ کسی اور قانون کے تحت جرم ہے، تو اگر وہ جرم عدالت کے دائرہ اختیار میں ہو تو وہ ملزم کو اُس جرم کی سزا دے سکتی ہے۔

یہ دفعہ عدالتی کارروائیوں میں پیچیدگی ختم کرنے کے لیے تھی، لیکن زیرِ نظر بل میں عدالت کے اس اختیار کو بھی ختم کر دیا گیا ہے۔

زیرِ نظر بل میں صورتحال یہ ہے کہ زنا سے ملتے جلتے تمام تعزیری جرائم کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیراتِ پاکستان میں منتقل کر دیا گیا ہے، اور حدود آرڈیننس میں صرف زنا بالرضا موجب حد کا جرم باقی رہ گیا ہے۔ لہٰذا اس ترمیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی مرد پر زنا موجبِ حد کا الزام ہو، لیکن شہادتوں کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو جائے کہ مرد نے عورت پر زبردستی کی تھی، یا زنا ثابت نہ ہو، لیکن عورت کو اغواء کرنا ثابت ہو جائے تو عدالت ملزم کو نہ ریپ کی سزا دے سکے گی، نہ اغواء کرنے کی اور عدالت یہ جانتے بوجھتے اُسے چھوڑ دے گی کہ اس نے عورت کو اغواء کیا تھا، اور اس پر زبردستی کی تھی، اُس کے بعد یا تو ملزم بالکل چھوٹ جائے گا یا اُس کے لیے از سرِ نو اغوا کی نالش کرنی ہوگی، اور عدالتی کارروائی کا نیا چکر نئے سرے سے شروع ہوگا۔

قانون سازی بڑا نازک عمل ہے، اُس کے لیے بڑے ٹھنڈے دل ودماغ اور یکسوئی اور غیر جانبداری سے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب پروپیگنڈے کی فضا میں صرف نعروں سے متأثر اور مرعوب ہو کر قانون سازی کی جاتی ہے تو اس کا نتیجہ اسی قسم کی صورت حال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، پھر عدالتیں نئے قانون کی تعبیر وتشریح کے لیے عرصۂ دراز تک قانونی موشگافیوں میں الجھی رہتی ہیں۔ مقدمات ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور مظلوموں کی دادرسی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ چند جزوی خامیوں کو چھوڑ کر جن کا مفصل ذکر پیچھے آ گیا ہے، زیرِ نظر بل کی اہم خرابیاں یہ ہیں:

(۱)...... زیرِنظر بل میں ''زنا بالجبر'' کی حد کو جس طرح بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہے، وہ قرآن و سنت کے احکام کے بالکل خلاف ہے۔ خواتین کے ساتھ پولیس کی زیادتی کا اگر کوئی خطرہ ہو تو اس کا سدِ باب اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ زنا بالجبر کی مستغیثہ کو مقدمے کی کارروائی عدالت میں پوری ہونے تک حدود آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار کرنے کو قابلِ تعزیر جرم قرار دے دیا جائے۔

(۲)......جب ایک مرتبہ زنا کی حد کا فیصلہ ہو جائے تو صوبائی حکومت کو سزا میں کسی قسم کی معافی یا تخفیف کا اختیار دینا قرآن و سنت کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا زیرِنظر بل میں زنا آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ شق (۵) کو حذف کر کے حکومت کو سزا میں تخفیف وغیرہ کا جو اختیار دیا گیا ہے، وہ قرآن و سنت کے منافی ہے۔

(۳)......''زنا بالرضا موجب حد'' اور ''فحاشی'' کو نا قابلِ دست اندازیٔ پولیس قرار دے کر ان جرائم کو جو مختلف تحفظات دیئے گئے ہیں، وہ ان جرائم کو عملاً نا قابلِ سزا بنا دینے کے مترادف ہے۔

(۴)......عدالتوں پر یہ پابندی عائد کرنا کہ شہادت کے مطابق مختلف جرائم سامنے آنے پر وہ دوسرے جرائم میں سزا نہیں دے سکتیں، مجرموں کی حوصلہ افزائی ہے، یا اس کے نتیجے میں مقدمات ایک عدالت سے دوسری عدالت میں منتقل ہوں گے اور عدالتی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوں گی۔

(۵)......''قذف'' آرڈیننس میں ترمیم کر کے مرد کو یہ چھوٹ دینا کہ وہ عورت کے مطالبے کے باوجود لعان کی کارروائی میں شرکت سے انکار کر کے عورت کو معلق چھوڑ دے، قرآن کریم کے حکم کے منافی ہے۔

(۶)......''قذف آرڈیننس'' میں یہ ترمیم بھی قرآن و سنت کے منافی ہے کہ عورت کے رضا کارانہ اقرارِ جرم کے باوجود اسے سزا نہیں دی جا سکے گی۔

ارکانِ پارلیمنٹ اور اربابِ اقتدار سے ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ ان گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے بل کی اصلاح کریں، اور قوم کو اس مخمصے سے نجات دلائیں جس میں وہ مبتلا ہو گئی ہے۔

☆---☆---☆---☆

خوشخبری

قرآن مجید تاج کمپنی۔ و پاکستان کے تمام معروف ناشرین قرآن کے ہر قسم ہر سائز کے قرآن کریم، مترجم، معریٰ و پارہ سیٹ کی مکمل ورائٹی دستیاب ہے۔

اسلامی کتب تفاسیر، احادیث، شروحات، سیرت، تاریخ اور ہر قسم کی علمی ادبی اور فنی کتب موجود ہیں۔

اسلامک آئٹمز ہر قسم کے طغرے، تسبیحات، جائے نماز، خواتین کے لئے پردے کی چادریں، احرام، اسلامک CDs، پرفیوم وعطر، مناسب نرخ پر طلب فرمائیں۔

دیگر سہولیات آپ کوئی تصنیف یا تحریر چھپوانا چاہتے ہیں تو صرف مسودہ دیں اور اپنے مطلوبہ معیار کی طبع شدہ کتاب لیں۔ اگر آپ ایصال ثواب کیلئے یا دین کی تبلیغ واشاعت کیلئے کوئی کتاب چھپوا کر تقسیم کرنا چاہیں یا اندرون و بیرون ملک کتب کی ترسیل ہمارے ہاں اس کا معقول انتظام ہے۔ آپ بذریعہ فون اپنے گھر پر بھی کتب منگوا سکتے ہیں۔ دینی و اسلامی کتب کی اشاعت کیلئے ہمیں خدمت کا موقع دیں۔ ہمارا ادارہ شب و روز انہیں کاموں کیلئے مصروف عمل ہے۔

بَیتُ الکُتُب کراچی
بالمقابل: مدرسہ اشرف المدارس گلشن اقبال فون: 4975024